المرشد

ماھنامہ چکوال

اللہ
رسول
محمد

مئی
2004ء

قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

عراق میں گلی گلی جنگ، امریکہ بری طرح پھنس گیا

ماہنامہ المُرشد چکوال

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

مئی 2004ء ربیع الاول / ربیع الثانی ۱۴۲۵ھ

جلد نمبر 25 ✻ شمارہ نمبر 10

مدیر ـــــ چوہدری محمد اسلم

مجلس ادارت

حافظ عتیق الرحمٰن ✻ اعجاز احمد اعجاز

سرکولیشن مینیجر : رانا جاوید احمد

کمپیوٹر ڈیزائننگ اینڈ لے آؤٹ

رانا شوکت حیات، محمد ندیم اختر

قیمت فی شمارہ 25 روپے

LRL # 41

اس شمارے میں

1- (اداریہ)	محمد اسلم	3
2- دنیا...... آزمائش گاہ	امیر محمد اکرم اعوان	4
3- کربلا کی حقیقت	امیر محمد اکرم اعوان	10
4- نفاذ اسلام	امیر محمد اکرم اعوان	20
5- اللہ کا بندہ اور علم لدنی	امیر محمد اکرم اعوان	26
6- گروہ بندیاں	امیر محمد اکرم اعوان	33
7- دنیا میں جیو...... آخرت کیلئے	امیر محمد اکرم اعوان	42
8- من الظلمت الی النور	عبدالعظیم خان	51
9- بابے، جسم اور خیال کا کلا	دانشور اشفاق احمد	53

بدل اشتراک	سالانہ
پاکستان	250 روپے
بھارت / سری لنکا / بنگلہ دیش	
مشرق وسطیٰ کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فار ایسٹ اور کینیڈا	60 امریکن ڈالر

انتخاب جدید پریس ۔ لاہور 042-6314365

ناشر۔ پروفیسر عبدالرزاق

رابطہ آفس = ماہنامہ المُرشد اے۔ٹی۔ایم۔بلڈنگ پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد۔فون 041-668819

Web Site : www.alikhwan.org.pk

E.Mail : info@alikhwan.org.pk

سرکولیشن آفس = ماہنامہ المُرشد اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔فون 042-5182727

اسرار التنزیل

ذکر الٰہی اور شیطان

ذکر الٰہی کی بنیاد ایمان ہے دوسرا درجہ عمل ہے اور تیسرا لسانی کہ فرائض وواجبات کے بعد زبانی تسبیحات وتلاوت کی جائے اور کامل درجہ ذکر قلبی ہے کہ کوئی لمحہ ضائع نہ جائے۔ اور ترک ذکر پر جو شیطان مسلط ہوتا ہے یہ اس سے الگ ہے جو ہر انسان کے ساتھ پہلے سے ہوتا ہے نیز بُری مجلس نصیب ہوتی ہے تو لامحالہ ذکر کرنے پر نیک مجلس اچھے ساتھی اور شیطان سے حفاظت بھی نصیب ہوتی ہے مگر اس کی آنکھ جلد ہی کھل جائے گی کہ بعد موت جب حشر میں حاضری ہوگی تو یہ کافر کہہ اٹھیں گے کہ کاش ہم میں اور اس شیطان میں مشرق ومغرب کی دوری ہوتی یعنی ہم کبھی نہ ملے ہوتے یہ تو بہت ہی بُرا ساتھی ثابت ہوا اور ارشاد ہوگا کہ اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں کہ تم اس کے کہنے پر گناہ اور کفر تو کر چکے۔ اب یہ شیطان بھی اور تم بھی اکٹھے عذاب ہی میں ڈالے جاؤ گے جن لوگوں کو شیاطین نے اس طرح بہرا بنا رکھا بھلا آپ اسے کیا سنائیں گے؟ یا جن کو اندھا کر دیا ہے آپ انہیں کیسے راہ دکھا سکتے ہیں؟ جبکہ یہ ایسی گمراہی میں ہیں جس پر خود ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اور جس کے گمراہی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ انہیں اس کی سزا بھگتنا ہوگی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی وہ اگر آپ ﷺ دنیا سے پردہ فرما چکے ہوں تب ہو یا آپ ﷺ کے سامنے ان پر واقع ہو اس کا تو فیصلہ ہو چکا کہ ان پر عذاب ہوگا اور ہم اس پر پوری طرح قادر ہیں۔ آپ ﷺ پر جو وحی نازل ہوتی ہے آپ ﷺ اسے پوری طرح سے اپنائے رکھیں اور ان کی قطعاً پرواہ نہ کریں کہ آپ ﷺ سیدھے راستے پر ہیں۔

الیہ یرد ۲۵۔ الزخرف

اداریہ

مزاحمت کی راہ

"فلوجہ" کے شہیدوں کو سلام، "تکریت" کے غازیوں کو سلام اور بغداد کے غیور مجاہدین کو سلام جنہوں نے طاقت کے نشے میں بدمست قابض فوج سے لڑتے ہوئے بہادری کی نئی داستانیں رقم کیں۔ یہ مجاہدین امریکی گن شپ ہیلی کاپٹروں اور بکتر بند گاڑیوں سے ڈرے نہ توپوں اور میزائلوں سے خوفزدہ ہوئے۔ جذبہ جہاد ہی ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ انہوں نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ عراقی قوم کو غلامی کا طوق قطعاً قبول نہیں۔ انہیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ بمقابل امریکہ جیسی سپر پاور ہے۔ وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ صدام حسین سے نجات دلانے کا نعرہ لے کر آنے والوں نے ان کے وطن پر قبضہ کر لیا ہے۔ فلوجہ، بغداد اور تکریت کے غیرت مند مجاہدین نے پورے عالم اسلام کو ایک راہ دکھائی ہے اور وہ ہے "مزاحمت کی راہ"۔ عراق میں جو کچھ ہو رہا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مظلوم متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوں تو ظالم کا مقابلہ کرنا ناممکن نہیں رہتا۔ عراقی عوام کا جذبہ مزاحمت امت مسلمہ کیلئے ایک سبق ہے۔ ایک پیغام ہے .... ایک مثال ہے .... کاش دنیا بھر کے مسلمانوں میں یہ جذبہ مزاحمت پیدا ہو جائے۔

دنیا............آزمائش گاہ

اپنے کردار کو، اپنے نظریات کو، اپنے آپ کو اتباع محمد رسول اللہ ﷺ میں ڈھال لو۔ یہ چند روزہ زندگی صرف اس آزمائش کے لئے ہے کہ ہم آقا نامدار ﷺ کا اتباع کرتے ہیں یا اپنے نفس کا' وہ کریم ہے ہم نافرمانی کرتے ہیں وہ مہلت دیتا رہتا ہے یہ اُس کا کرم ہے لیکن جب مدت ختم ہوجاتی ہے تو پھر نتائج آجاتے ہیں۔ ☆☆☆☆☆

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 20-2-04

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وکم اھلکنا قبلھُم من قرن ھُم احسن اثاثاً ورءیاًoقل من کان فی الضللۃ فلیمدُد لہُ الرحمٰن مداًoحتی اذا را وا ما یو عدون اما العذاب واما الساعۃ فسیعلمون من ھوشر مکانا واضعفُ جُنداًoویزیدُ اللّٰہ الذینَ اھتدوا ھدیً. والبقیت الصلِحتُ خیرُ' عند ربک ثوابا و خیر مرداًo

سورۃ مریم کے آٹھویں رکوع میں یہ آیات مبارکہ سب سے پہلے انسان کو دعوت فکر دیتی ہیں کہ مالی قوت اور افرادی قوت انسان کو بغاوت پہ آمادہ کر دیتی ہیں۔ وہ خود کو سب کچھ سمجھنے لگتا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ انسان کی ایک تاریخ ہے۔ اقوام عالم کی ایک تاریخ ہے اگر اُس پہ آپ نگاہ ڈالیں تو دیکھیں گے۔

وکم اھلکنا قبلھُم من قرنٍ. کتنی ہی قوموں کو تم سے پہلے جو اس زمین پر تھیں تباہ کر دیا گیا۔ اللہ کریم نے اُن پر تباہی بھیج دی۔ حالانکہ وہ تمہاری نسبت مال و دولت اور شان و شوکت میں کہیں زیادہ تھیں یعنی کسی کا مال یا اُس کی افرادی قوت یا اُس کا اثر و رسوخ فطری نتائج کو روک نہیں سکتا۔ اگر وہ بُرائی کرتا ہے تو تباہی اُس کا مقدر بن جاتی ہے ہاں قدرت اور فطرت

> **کسی کا مال، اس کی افرادی قوت، اس کا اثر ورسوخ فطری نتائج کو روک نہیں سکتا۔**

کا قاعدہ کیا ہے؟ قل من کان فی الضللۃ. اے میرے حبیب ﷺ! انہیں واضح طور پر بتا دیجئے کہ اگر کوئی گمراہی کا راستہ اختیار کرتا ہے' غلط کاری کا راستہ اختیار کرتا ہے' بُرائی کا راستہ اختیار کرتا ہے' فلیمدُد لہُ الرحمن مداً o تو ایک حد تک اللہ جو بہت بڑا رحم کرنے والا ہے اُسے مہلت دیئے جاتا ہے۔ اُس مہلت کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ مزید گمراہ ہوتا جائے۔ یہ اُس کی رحمت عامہ ہے کہ وہ اُسے برداشت کرتا ہے۔ اس پر فوری گرفت نہیں لاتا' اُسے فرصت دیتا ہے کہ شاید کبھی اسے توبہ کی توفیق ہو جائے یہ توبہ کی طرف پلٹ آئے چونکہ اُس کا فیصلہ اللہ نے انسان پر چھوڑ دیا ہے اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔

انا ھدینہُ السبیل اما شاکراً واما کفوراً o ہم نے انسان کو راستہ دکھادیا ہے اب یہ فیصلہ انسان کا ہے کہ وہ شکر کا راستہ اختیار کرتا ہے یا ناشکری کا راستہ اختیار کرتا ہے؟ تو اگر کوئی ناشکری کا راستہ اختیار کرتا ہے تو فرمایا انہیں سمجھا دیجیے۔

من کان فی الضللۃِ. جو کوئی گمراہی اختیار کرتا ہے تو اللہ اتنا کریم ہے کہ وہ اُسے بھی مہلت دیئے جاتا ہے' ڈھیل دیتا ہے' فرصت دیتا ہے' لیکن اُس مہلت کی ایک حد ہوتی ہے۔ ایک مدت ہوتی ہے۔ اپنے وقت تک مہلت دی جاتی ہے۔

حتی اذاراوا مایوعدون اما العذاب واما الساعۃ o پھر دو میں سے ایک چیز اُسے سامنے آجاتی ہے یا اُس پر عذاب نازل

ہوتا ہے۔ یا اُس کے لئے قیامت آجاتی ہے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے موت کو بھی قیامت صغریٰ کہا ہے۔

من مات فقدقام قیامتۂ او کماقال رسول اللہ ﷺ کہ جو مر گیا اُس کی قیامت قائم ہو گئی۔ یعنی اب اُس کے لئے جب بھی قیامت قائم ہو اُس کے پاس عمل کا وقت ختم ہو گیا۔ اب اسے قیامت کا انتظار ہی کرنا ہے تو گویا ایک طرح سے وہ بھی قیامت کے منتظرین میں شامل ہو گیا۔ اب اُس کے پاس عمل کی فرصت نہیں ہے تو گویا اُس کی قیامت قائم ہو گئی۔ اُسی دن ہو یا لاکھوں سال بعد ہو۔ اب اُسے قیامت ہی کو سامنا کرنا ہے۔

تو فرمایا اگر کوئی بُرائی کی طرف چلتا رہے تو اللہ کریم اُسے ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں اور یہ اُس کی رحمانیت ہے' رحمت عام ہے۔ فلیمدد له الرحمن. اللہ جو بہت بڑا مہربان ہے وہ ایسا کرم فرماتا ہے کہ اُس کی گمراہی کو' اُس کے گناہوں کو' اُس کے کفر کو' بھی برداشت کرتا ہے لیکن اگر وہ توبہ نہیں کرتا تو اُس پہ عذاب نازل ہو جاتا ہے یا موت آجاتی ہے۔ اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ اور پھر جب انجام کو پہنچتا ہے جب آنکھ بند ہوتی ہے تو پھر آنکھ کھل جاتی ہے۔

فسیعلمون من هو شر' مکاناً واضعفُ جُنداo پھر اُسے پتہ چل جاتا ہے کہ کون بُرائی کی جگہ پر تھا اور کون کمزور ہے؟ اُسے پتہ چل جاتا ہے کہ وہ کتنا کمزور ہے؟ قدرت باری کے سامنے اُس کے لاؤ لشکر کی کوئی حیثیت نہیں رہتی' اُس کے مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں رہتی' اُس کی ذات کی کوئی حیثیت نہیں بنتی۔

ویزید اللہ الذین اھتدو ھدیً o

اور جو لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اُن پر اللہ یہ کرم فرماتا ہے کہ انہیں مزید نیکی کی توفیق ارزاں کرتا چلا جاتا ہے۔ جو انسان یہ طے کر لیتا ہے کہ مجھے نیکی اپنانی ہے اور مجھے بھلائی کی

جو لوگ ہدایت کا راستہ اختیار کرتے ہیں اُن پر اللہ یہ کرم فرماتا ہے کہ انہیں مزید نیکی کی توفیق ارزاں کرتا ہے۔

طرف جانا ہے تو اُس کے لئے نیکی کا کرنا صرف آسان ہی نہیں کرتا' مزید نیکیوں کی توفیق ارزاں کئے جاتا ہے اور فرمایا یہ یاد رکھو۔

والبقیت الصلحتُ خیر' عند ربک ثواباً وخیر' مرداً o باقی رہنے والی نیکیاں ہی ہیں اور باقی رہنے والے نیک اعمال رب جلیل کو بھی بہت پسند ہیں۔ اُس کے نزدیک بہت بہتر ہیں۔ اُن کا اجر' اُن کا انجام' تمہاری عقلوں' تمہارے علم' تمہاری دانش' تمہاری سوچ تمہاری فکر سے بلند تر ہے انسان اس دنیا میں رہ کر ایک چھوٹی سی نیکی کا اجر بھی قیاس نہیں کر سکتا۔ اندازہ نہیں کر سکتا۔ تول نہیں سکتا۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر کوئی راستے سے کانٹا ہٹا دیتا ہے۔ ایک پتھر ہٹا دیتا ہے۔ راستہ صاف کر دیتا ہے۔ اب یہ اُس کی مرضی ہے کہ کام تو اُس نے چھوٹا سا کیا۔ عطا اُس نے کرنا ہے۔ اُس پہ کیا عطا کرتا ہے۔ یہ اُس کی پسند پہ ہے وہ شاید اُس کی ساری زندگی کے گناہ اُس پہ معاف فرما دے۔ تو شاید اُسے اُس پہ بہت بڑا مرتبہ دے دے۔

بخاری شریف میں ایک واقعہ موجود ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں دو عورتیں تھیں۔ ایک عورت نماز' روزے کی پابند پرہیز گار تھی اور ایک عورت نہ صرف یہ کہ نماز روزے کی پابند نہیں تھی بلکہ عملی طور پر بھی بدکار تھی۔ عرض کی گئی یا رسول اللہ ﷺ آپ نے اُن دونوں کے بارے ذکر تو فرمایا پھر اُس سے آگے کیا ہوا؟ فرمایا ہوا یہ کہ وہ جو پارسا تھی وہ مرنے کے بعد جہنمیوں میں شمار کی گئی اور وہ جو بدکار تھی مسلمان تو تھی لیکن عملی طور پر وہ نیک نہیں تھی اُسے اللہ نے بخش دیا وہ جنتیوں میں شمار ہوئی' یا رسول اللہ ﷺ! یہ کیسے ہوا؟ فرمایا وہ جو پارسا تھی اُس نے ایک بلی پالی ہوئی تھی۔ گھر سے کہیں باہر گئی اور بلی کو اندر بند کر گئی اور اُسے پلٹنے میں کافی دن لگ گئے اور وہ بھوکی پیاسی تڑپ تڑپ کر مر گئی۔ اندر اُس کے کھانے پینے کا کچھ نہیں تھا۔ اُس ایک قتل پر اللہ نے اُس کی ساری عبادتیں اُس کے منہ پر دے ماریں۔ کہ میری مخلوق کو اس بیدردی سے اور اس ظلم سے تم نے قتل کر دیا اور وہ جو بھلا

پارسا نہیں تھی وہ ایک دن گزری تو ایک کتا پیاس سے تڑپ رہا تھا' مر رہا تھا' اور کنوئیں پر ہلکا سا کیچڑ تھا' کبھی لوگوں نے پانی کھینچا ہوگا اور وہ کیچڑ سا تھا گیلی مٹی تھی' اُسے چاٹتا پھر گر پڑتا۔ اُس کا پیاس سے بُرا حال تھا تو اُس نے دیکھا کہ اس کے لئے میں تو کچھ نہیں کر سکتی تو اُس نے بڑی قیمتی جوتی پہنی ہوئی تھی۔ دوپٹہ تھا اُس نے دوپٹے کو چیر کر دو تین ٹکڑے کر کے رسی بنائی اور اپنی اُس قیمتی جوتی کا ڈول بنایا اور اُس میں وہ رسی باندھ کر دو تین دفعہ کنوئیں سے پانی نکال کر اُس کتے کو پلایا جس سے وہ بچ گیا۔ اور وہ ہشاش بشاش تازہ ہو کر چلا گیا۔ فرمایا اللہ نے وہ عمل قبول کر کے اُس کے سارے گناہ معاف کر دیئے۔

کوئی نیکی چھوٹی نہیں ہے اور کوئی گناہ چھوٹا نہیں ہے گناہ نافرمانی ہے رب جلیل کی اس لئے چھوٹا نہیں ہوتا اگر اُس پہ گرفت ہو جائے تو اُس کا بندے کے پاس کیا جواب ہے؟ کہ میں نے ایسا کیوں کیا؟ اور کوئی نیکی معمولی نہیں ہوتی اگر وہ قبول ہو جائے تو وہی انسان کے دونوں جہانوں کو بدل دے۔ بات تو قبولیت کی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس کی ایک تسبیح زندگی میں قبول ہو گئی اُس کی نجات ہو گئی۔ کبھی زندگی میں ایک دفعہ اللہ اکبر قبول ہو گیا۔ سبحان اللہ قبول ہو گیا۔ الحمدللہ قبول ہو گیا۔ دل سے نکلا، خلوص سے نکلا، اُس نے قبول کر لیا نجات کے لئے کافی ہے۔ دنیا اپنا ایک حسن رکھتی ہے' اپنی لذتیں رکھتی ہے' اپنی لذتیں رکھتی ہے' اور اتنی خوبصورت ہے کہ اس نے لوگوں کو اللہ کی بارگاہ سے ہٹا کر اپنے پیچھے لگا دیا ہے۔ یہ کہنا کہ دنیا کچھ نہیں یہ بات درست نہیں ہے۔ دنیا اُس کی صنعت ہے۔ اُس میں اُس نے بے حساب طرح کے آرام' بے حساب طرح کے عیش و عشرت' بے حساب طرح کی خوشیاں رکھی ہیں۔ کسی کو دنیا کی حکومت مل جاتی ہے۔ کسی کو مال و زر مل جاتا ہے۔ کوئی جھونپڑی میں بیٹھا ہے لیکن اُسے دنیا اتنی عزیز ہے کہ اُس کے پاس اللہ کا نام لینے کی فرصت نہیں ہے۔ جھونپڑی میں بھی اپنی

کوئی نیکی چھوٹی نہیں ہے اور کوئی گناہ چھوٹا نہیں ہے گناہ نافرمانی ہے رب جلیل کی اس لئے چھوٹا نہیں ہوتا

دنیا کے تار بننے میں لگا ہوا ہے۔ ہر جگہ ایک عجیب معیار بنے ہوئے ہیں۔ میری عادت ہے میں ہر شعبے کے لوگوں کو دیکھتا ہوں۔ اُن کے پاس جاتا ہوں' ملتا ہوں' اندازہ کرتا رہتا ہوں' کہ کون کیا سوچ رہا ہے؟ تو میں نے خانہ بدوشوں کو دیکھا ہے۔ پھٹے ہوئے ٹکڑے جوڑ کر انہوں نے ایک تمبو سا بنایا ہوا تھا۔ اور چار لکڑیاں جہاں گئے وہ لکڑیاں گاڑیں اور پر کپڑا دیا' گرمیاں ہیں یا سردیاں ہیں' کھانا پینا اُن کا لوگوں کے گھروں میں پکتا ہے' اگر اُس جھگی کے پانچ باسی ہیں تو پانچ ہی نکل گئے کوئی روٹی لے آیا' کوئی آٹا لے آیا کوئی کپڑا لے آیا' مانگ کر گدا کر کے گزارا کرتے ہیں۔ لیکن اُن سے بھی آپ آخرت کی' عقیدے کی' بات کریں تو اُن کے پاس فرصت نہیں ہے۔ کہ وہ اللہ کے بارے سوچیں، آخرت کے بارے سوچیں اُن کا معاملہ بھی دنیا میں اٹکا ہوا ہے اور وہ بھی لگے ہوئے ہیں کہ فلاں کے ساتھ میرا مقابلہ ہے۔ فلاں نے یہ کیا میں یہ کروں گا؟ فلاں ایسا ہے میں ایسا ہوں۔ فلاں نے بیٹی کی شادی پر زیادہ دیا جاتا تھا۔ میں بیٹی کے جہیز میں اس سے بڑھ کر دوں گا۔ یعنی دنیوی مقابلے میں وہ بھی مصروف ہے حالانکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں۔ لیکن جب اللہ کی عظمت کی بات آتی ہے تو اُن کے پاس دنیا نام کو نہیں لیکن اللہ کا نام لینے کے لئے اُن کے پاس فرصت نہیں۔

اور جنہیں توفیق ہوتی ہے جو وہ راستہ چنتے ہیں وہ کم و بیش نصف صدی برصغیر پر اورنگ زیب عالمگیرؒ نے حکومت کی' پورے برصغیر کا حکمران اپنے قلم سے رات کو بیٹھ کر قرآن کریم کی کتابت کرتا تھا' ٹوپیاں بنا کرتا تھا اور اپنے خاص آدمی کے ہاتھوں بازار میں فروخت کرتا تھا' اور اُس کا ذاتی کھانا اُس آمدن سے بنتا تھا جو بادشاہ کی مزدوری ہوتی تھی۔ جنہیں توفیق دیتا ہے شمس الدین التمش برصغیر کا وہ جلیل القدر حکمران تھا کہ تاتاریوں نے جب دریائے اٹک کے کنارے آ کر گھوڑے روکے تو ہلاکو نے انہیں کہا کہ اس دریا میں مداخلت نہ کرنا کہ آپ کے التمش کی حکومت ہے اور ہم اُس کا سامنا نہیں کر

سکتے۔ خواجہ بختیار کاکی رحمتہ اللہ کا مرید تھا۔ صاحب سلسلہ تھا، اللہ اللہ کرتا تھا، شیخ کا وصال ہو گیا اور حضرت کاکی رحمتہ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کی امامت جو کرے اُس میں تین صفتیں ہونی چاہئیں ایک تو اُس نے کبھی بغیر وضو کے آسمان نہ دیکھا ہو۔ یعنی جب بھی نکلے باہر تو باوضو ہو۔ دوسرا کبھی بلا عذر شرعی تہجد نہ چھوڑی ہو۔ اور کبھی زندگی میں بلا عذر شرعی نماز نہ جانے دی ہو۔ اب اُن کے جنازے پہ تو پورا ہندوستان' اُس کے مشائخ' علماء' صوفیا ہر طرح کے لوگ جمع تھے جنازہ رکھا ہے۔ مخلوق لاکھوں کی تعداد میں جمع ہے' اب آگے کوئی نہیں بڑھ رہا کہ جنازہ کون پڑھائے؟ تو دہلی کے تاجدار شمس الدین التمش نے یہ کہا کہ حضرت مرتے مرتے میرا پردہ اُتار گئے۔ آپ نے جنازے کی قیادت کی۔ ایک شخص کے پاس پورے برصغیر کی سلطنت ہے لیکن اُس کا دل اللہ کی یاد سے آباد ہے اور دوسری طرف دیکھو ایک خانہ بدوش جھگی میں بیٹھا ہے اُسے اللہ کا نام لینے کی فرصت نہیں۔ اُس کے دنیا کے کام اتنے ہیں کہ وہ فارغ ہی نہیں وہ اُس طرف آتا ہی نہیں۔ ہماری حیثیت کیا ہے؟ ہم جو لوگ ہیں۔

دیہات میں بستے ہیں۔ ہم سارا خاندان سارا دن مزدوری کرتے ہیں۔ تب شام کا کھانا ملتا ہے۔ ہمارے پاس بھی دنیا کے مقابلے سے ہمیں فرصت نہیں ہے۔ بھائی سے مقابلہ ہے' رشتہ داروں سے مقابلہ ہے' گاؤں والے سے مقابلہ ہے' فلاں سے مقابلہ ہے' ہمارے پاس فرصت نہیں ہے کہ ہم سکون سے سجدہ کر سکیں ہماری راتیں اُس کی یاد سے خالی' ہمارے دن اُس کے نام سے فارغ' نصیب میں چند لقمے ہیں ہم نہیں سوچتے کہ حرام کھا رہا ہوں یا حلال کھا رہا ہوں۔ اور پھر جب ہم گناہ کرتے ہیں، غلطی کرتے ہیں، الٹا چلتے ہیں، بگڑتا کچھ نہیں' ہم اور دلیر ہو جاتے ہیں حالانکہ وہ فرماتا ہے کہ یہ میری رحمت ہے کہ میں تجھے مہلت دیئے جاتا ہوں کہ آخر کبھی تو سنبھل جائے گا؟ میں نے اس

> اورنگ زیب عالمگیرؒ پورے برصغیر کا حکمران اپنے قلم سے رات کو بیٹھ کر قرآن کریم کی کتابت کرتا تھا ٹوپیاں بنا کرتا تھا اور اپنے خاص آدمی کے ہاتھوں بازار میں فروخت کرتا تھا۔

کے پاس محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا ہے۔ ہمارے یہ سادے کا شکار یہ ایسے بے وقوف ہیں کہ کوئی نام کا لوفر لفنگا خود کو شاہ کہلواتا ہے اور ان کی قتل کی دشمنیاں ہوں تو وہ چلا جائے تو یہ معاف کر دیتے ہیں کہ جی دروازے پہ سید آ گیا ہے۔ سید کی بات ہم نہیں ٹال سکتے لیکن انہیں یہ خیال نہیں آتا کہ ہمارے پاس تو محمد رسول اللہ ﷺ آئے۔ اللہ کی کتاب لائے ہم اُن کی بات کیوں زمین پہ جانے دیتے ہیں؟ اُن کی بات کیوں ٹال رہے ہیں؟ ہم اُن کی بات کیوں نہیں مان رہے۔ جہالت کی حد ہے۔ قرآن کریم کا ایک اصول ہے۔

حضرت نوح علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا سگا بیٹا تھا کنعان وہ اُن پر ایمان نہیں لایا حتیٰ کہ طوفان نوح علیہ السلام کا وقت آ گیا انہوں نے بددعا کی۔

رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیاراً ۝ میں ان سے ساڑھے نو سو برس محنت کر چکا ہوں۔ ان لوگوں میں کفر اس طرح دھنس گیا ہے کہ ان کی نسلیں بھی کافر ہی پیدا ہوں گی۔ ان کو دنیا سے اٹھا لے اور زمین کو ان کے بوجھ سے نجات دے دے۔ **لا تذر علی الارض من الکفرین دیاراً۔** کسی کافر کو زمین پر بستا مت چھوڑ۔ جن میں ایمان تھا اُن کی کشتی میں سوار ہو گئے اور اُس رب جلیل نے اُن کی دعا قبول کی اور پوری زمین کو غرق کر دیا۔ پوری زمین پر پانی چھا گیا۔ **وفارا التنورُ.** روٹیاں پکانے کے تنوروں سے بھی پانی اُبل پڑا۔ یعنی باقی چیزوں کو تو چھوڑیں پتھروں سے' پہاڑوں سے' زمینوں سے' تو جگہ جگہ پانی ابلتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے تنوروں سے بھی چشمے ابلے۔ آسمان نے پانی چھوڑ دیا' زمین نے پانی چھوڑ دیا' ہر چیز غرق ہو گئی' تو جب طوفان بڑھ رہا تھا اور وہ کشتی کے سامنے تھا تو قرآن کریم بات بتاتا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ آج کچھ نہیں بچے گا، کشتی پہ آ جاؤ اُس نے کہا میں اُس پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔

یعصمنی من الماء . وہ مجھے پانی کے سیلاب سے بچا لے گا۔ اونچا پہاڑ ہے اُس پر چڑھ جاؤں گا۔ انہوں نے فرمایا **لا عاصمُ**

الیوم. آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا نہ کوئی پہاڑ ہے' نہ کوئی انسان ہے' آج نہیں بچ پاؤ گے۔ وحال بینھما الموج. یہی بات ہو رہی تھی کہ طوفان کی ایک لہر آئی اٹھی اور اُس کو بہا کر لے گئے۔ تو آخر سگا بیٹا تھا' شفقت پدری نے جوش مارا اور آپ علیہ السلام نے دعا کی کہ بارالہا تیرا تو وعدہ تھا کہ تیری اولاد کو تیرے اہل خانہ کو اور جو لوگ تیرے ساتھ ہیں اُن کو بچاؤں گا یہ تو میرا سگا بیٹا۔ جیسا بھی تھا بیٹا تو تھا۔ پتہ ہے کیا جواب ملا؟ اللہ نے فرمایا۔ انہ' لیس من اھلک. وہ تیرے خاندان کا فرد نہیں ہے۔ بیٹا سگا ہے تیرے اہل خانہ میں سے نہیں ہے۔ اس لئے انہ' عمل غیر' صالح. وہ بدکار ہے' اُس کے اعمال بُرے ہیں اور بُرے اعمال والے کا رشتہ نبی سے نہیں ہوتا۔ تیرا کچھ نہیں لگتا۔ آپ علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ مجھ پر رحم فرما۔ مجھے اس کے لئے دعا نہیں کرنی چاہئے تھی۔

پھر یہ آج کے بھانگی چرسی جو ہیں یہ سید کہاں سے آ گئے ہیں؟ یہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی اولاد کیسے ہو سکتے ہیں؟ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ رشتہ ایمان اور عمل کا بھی ہو اور نسب کا بھی ہو پھر تو نور' علی نور ہے۔ عقیدہ بھی وہی ہو جو نبی علیہ السلام نے بتایا۔ کردار بھی وہی ہو جو خدا کا رسول ﷺ اور خدا کی کتاب کہتی ہے پھر تو نور علی نور ہے۔ اُس کی تو زیارت کی جانی چاہئے لیکن جو شکل سے لیکر عمل تک اور عقیدے سے لیکر کردار تک نبی علیہ الصلوۃ والسلام سے کوئی رشتہ نہ رکھتا ہو۔ وہ کیسا آپ ﷺ کا بیٹا ہے؟۔ کہاں کا سید ہے؟ ایسا لفنگا بھی آ جائے تو ہم کہتے ہیں سید نے کہا ہے یہ قتل معاف کر دو اور سید تو ہے محمد رسول اللہ ﷺ

آپ کیا سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں کی طرف اللہ نے آقائے نامدار ﷺ کو مبعوث فرمایا اور پھر لوگوں نے آپ ﷺ کی پرواہ نہیں کی۔ اُن کے ساتھ کیا نہیں ہوگا؟ اور کیا نہیں ہونا چاہئے۔ ہم اپنے کسی ناراض عزیز کے پاس اپنے والد کو بھیج

> حضرت کاکیؒ نے وصیت فرمائی کہ میرے جنازے کی امامت جو کرے اُس میں تین صفتیں ہونی چاہیں ایک تو اُس نے کبھی بغیر وضو کے آسمان نہ دیکھا ہو۔ یعنی جب بھی نکلے باہر تو باوضو ہو دوسرا کبھی بلا عذر شرعی تہجد نہ چھوڑی ہو۔ اور کبھی زندگی میں بلا عذر شرعی نماز نہ جانے دی ہو۔

دیتے ہیں' بیٹے کو بھیج دیتے ہیں کہ بھئی غلطی ہوگئی معاف کر دو۔ اگر وہ لوٹا دے تو ہمارا کیا عالم ہوتا ہے؟ گھروں میں، خاندانوں میں، ہم بیٹیوں کو' بیویوں کو' بھیج دیتے ہیں کہ جاؤ بھئی میرا بھائی ناراض ہے تم جا کر منت کر لو۔ اُسے کہو معاف کر دے۔ جب وہ لوٹا دیتا ہے تو ہمارا کیا عالم ہوتا ہے؟ اللہ نے تو آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا۔ اب جو آپ ﷺ کی بعثت کی پرواہ نہیں کرتا۔ زندگی بھر آئے ہیں کیا ہوا آئے ہیں؟ تو ہمارا اس سے کیا ہے؟ اُس کے ساتھ کیا نہیں ہونا چاہئے؟ ایسا کرنے سے یہ زندگی جہنم زار بن جاتی ہے۔ چونکہ جنت اور دوزخ ایک حقیقت ہے۔ دنیا ایک عارضی جہان ہے' جنت ہمیشہ رہنے والی ہے دوزخ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یہ دنیا ایک عارضی شے ہے۔ ایک ظل ہے ایک سایہ ہے' جنت اور دوزخ کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ دنیا پر اگر جنتیوں کے کام کرتا ہے تو اُس کے دل میں جنت ہوتی ہے وہ ہشاش بشاش زندگی گزارتا ہے' مطمئن زندگی گزارتا ہے اور وہ مزے کی نیند سوتا ہے۔ مزے سے جاگتا ہے' سوتا ہے' اللہ کا نام لیتا ہے' جاگتا ہے تو اُسے اللہ یاد آتا ہے۔ ہر ہر قدم پر اللہ کو یاد کرتا ہے۔ صحت و بیماری اُس پر بھی آتی ہے' افلاس' تنگی اور خوشحالی اُس پر بھی آتی ہے لیکن اُسے تنگی میں بھی ایک سکون ملتا ہے۔ خوش حالی میں بھی سکون اُس کے دل میں ہوتا ہے۔ قید ہو' جیل میں' اُس کی زندگی پُرسکون ہوتی ہے۔ بادشاہ بن جائے محل میں اُس کی زندگی پُرسکون ہوتی ہے۔ اس کی زندگی پر عکس ہوتا ہے' پرتو ہوتا ہے جنت کا۔ بدکار یا کافر کی زندگی پر جہنم کا عکس پڑتا رہتا ہے۔ ایک ایک لمحہ اس زندگی میں بھی وہ جہنم میں جیتا ہے' اُسے فکریں کھائے رکھتی ہیں۔ ڈر کھائے رکھتے ہیں۔ اندیشے کھائے رکھتے ہیں۔ نیند کی گولیاں کھاتا ہے۔ تب چند لمحے سوتا ہے' جاگتا ہے تو پھر ڈرنا شروع ہو جاتا ہے۔ زندگی اندیشوں کی نذر ہو جاتی ہے۔ اُس کے لئے اُس کی زندگی کانٹوں کی سیج بن جاتی ہے۔ اور کتنا لطف عام ہے اللہ کریم کا کہ اپنے کردار کو اپنے نظریات کو اپنے آپ کو ڈھال لو اتباع محمد رسول اللہ ﷺ میں۔

کسی یکجائی سے اب عہد غلامی کر لو
اور ملت احمد مرسل کو مقامی کر لو

کتنی خوبصورت بات ہے کسی کے لئے کتنا بڑا مقام ہے کہ یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا غلام ہے۔ مدینہ کے گدا دیکھے ہیں دنیا کے امام اکثر بدل دیتے ہیں تقدیریں محمدؐ کے غلام اکثر اور یہ چندروزہ زندگی صرف اس آزمائش کے لئے ہے کہ ہم آقا نامدار ﷺ کی غلامی کرتے ہیں اُن کا اتباع کرتے ہیں یا اپنے نفس کا' وہ کریم ہے ہم نافرمانی کرتے ہیں وہ مہلت دیتا رہتا ہے یہ اُس کا کرم ہے لیکن جب مدت ختم ہوجاتی ہے تو پھر نتائج آجاتے ہیں۔ عذاب آجاتا ہے اور نیکی کی طرف چلنا جو چاہے اُسے توفیق ارزاں کر دیتا ہے اُسے پھر مزید توفیق دیتا ہے۔ اُس کی زندگی اس دنیا میں بھی جنت کی خوشبو پاتی ہے قبر میں بھی اُس کو جنت کی روشنیاں نصیب ہوتی ہیں۔ قیامت کو بھی مسکراتا ہوا اٹھے گا اور دامان رحمت عالم ﷺ میں اُسے پناہ ملے گی اللہ کریم ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی نالائقیوں' کوتاہیوں کا' احساس کریں اُن سے توبہ کریں اور آقائے نامدار ﷺ کی غلامی کو مقامی کرلیں۔ آمین

دہلی کے تاجدار شمس الدین التتمش نے یہ کہا کہ حضرت مرتے مرتے میرا پردہ اُتار گئے۔ اور جنازہ پڑھایا

ظاہر اور باطن کا ایک رہنا

دائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہی پہلا سبق جو ملتا ہے وہ یہی ہے کہ ظاہر اور باطن کو ایک جیسا رکھو' اقرار شہادتین کے لئے دو مطالبے ہوتے ہیں زبان سے توحید و رسالت کا اقرار کرو۔ اور دل سے اس کی تصدیق کرو۔ تب تم اسلام کے دائرے میں داخل ہو گے۔ اس لئے یوں کہنا زیادہ مناسب ہے کہ یہ پہلا سبق نہیں ملتا' بلکہ اس سبق کے ساتھ اسلام میں داخلہ ملتا ہے اگر صرف زبان سے اقرار کرلو تو انسان کی نگاہ میں مسلمان شمار ہو گے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمان اس وقت شمار ہوں گے جب زبان کے اقرار کے ساتھ دل کے یقین کو بھی شامل کرو گے معلوم ہوا ہے کہ ظاہر و باطن کی یک رنگی کی جگہ اگر دو رنگی اختیار کی جائے تو اس کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ انسان اپنا معاملہ صرف انسانوں تک محدود در سمجھتا ہے اور یہ دو رنگی دراصل جھوٹ ہے دھوکہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب کی سورہ منافقوں میں ارشاد فرماتا ہے۔

''اے میرے نبی! جب یہ منافق تیرے پاس آ کے کہتے ہیں کہ ہم شہادت دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں مگر اللہ شہادت دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں''۔

منافق بات تو ٹھیک کہہ رہے تھے پھر جھوٹے کیسے ہوئے؟ وجہ ظاہر ہے۔

وہ زبان سے تو سچ کہہ رہے تھے مگر دل میں یقین نہیں تھا اور اللہ تو دلوں کو دیکھتا ہے۔ لہذا اللہ نے اعلان فرما دیا کہ یہ جھوٹے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ ظاہر و باطن کا ایک نہ ہونا جھوٹ بھی ہے۔ دھوکا بھی ہے اور نفاق کی نشانی بھی ہے مگر ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ اب ظاہر و باطن کا ایک نہ رکھنا ایک فن ہے اور اس کی بڑی قدر و منزلت ہے ایسے فنکاروں کو بڑے بڑے ایوارڈ ملتے ہیں اور ان کی پذیرائی ہوتی ہے۔ یہ ایکٹنگ اور اداکاری کیا ہے یہی دو رنگی کا چسکا ہے اور اس کی عظمت کا یقین۔ حضور نبی کریم ﷺ نے انتباہ کرتے ہوئے فرمایا۔

''یعنی مجھے اس امت کے متعلق اندیشہ ہے کہ اس پر ایسے منافق کا وبال پڑے گا جو بات کرے گا تو نہایت حکمت کی اور کام کرے گا بالکل اس کے برعکس''

یعنی یہ دو رنگی ایسی منحوس صفت ہے کہ اس کا وبال پورے معاشرے پر پڑتا ہے۔ حیرت کی بات بلکہ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ عادت سینما اور تھیٹر تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں تقریباً ہر شخص اس مرض میں مبتلا ہے۔ تاجر کاشتکار' ملازم' عوام حکام' علماء مشائخ سب اداکاری کی مشق کر رہے ہیں۔

اقتباس۔ چراغ مصطفوی

کربلا کی حقیقت

یہ ڈھول بجانے سے' مرثیے پڑھنے سے' دیگیں پکانے سے' بات نہیں بنے گی اس کا مطلب ہے کہ ہم نے اُس قربانی کی اہمیت کو سمجھنے کا تکلف ہی نہیں کیا۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ کم از کم اپنے اس ایک وجود کو تو سیدھا کر سکتے ہیں۔ ہم تو یزیدنہ بنیں۔ یہاں تو ہر فرد میں کسی میں چھوٹا' کسی میں بڑا' یزید چھپا بیٹھا ہے۔ جس کو چند ٹکے کسی کے ملتے ہیں چھین لیتا ہے۔ جس کسی کی عزت قابو آتی ہے لوٹ لیتا ہے۔ تو کربلا ایک سانحہ' ایک واقعہ ہے' حادثہ نہیں ہے

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ' ضلع چکوال 27-2-04

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی سال کی ابتدا محرم سے ہے تو اس کا اختتام ذوالحج پہ ہوتا ہے اور دوران سال کا کوئی دن بھی ایسا نہیں جس میں جانفروشان اسلام نے احقاق حق کے لئے ظلم و جور و ستم کے مقابلے میں جانیں نذرانہ کی ہوں لیکن اس ایک خاص واقعہ کو جسے ہم واقعہ کربلا کے نام سے جانتے ہیں۔ اتنی زیادہ شہرت کیوں ملی کہ ساڑھے تیرہ سو برس بعد بھی اس ایک واقعہ کو خاص طور پر یاد کیا جاتا ہے۔

ہمارے ایک فرقے کی بنیاد ہی اس پر رکھی گئی۔ یہ بھی ایک سبب ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ صرف شیعہ حضرات کی وجہ سے یہ دن یادگار بن گیا بلکہ اسے ہر مسلمان خواہ وہ کسی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو اپنے دل میں، اپنے ذہن میں، تازہ رکھتا ہے۔ ساڑھے تیرہ سو سال کی دراز مدت نے اس پر بہت سے پردے گرا دیئے۔ بہت سے حقائق جو ہیں وہ وقت کے طوفانوں کی نذر ہو گئے اور وقت کے ریگزاروں میں دب گئے۔ اب ہمارے پاس اس کا خلاصہ صرف یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے نواسے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کے لخت جگر حضرت حسینؓ اپنے ساتھیوں اور اہل خاندان کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہو گئے اور اہل کوفہ کا وہ لشکر جو یزید کے اور اس کے گورنر کے تابع تھا اس نے انہیں بے دردی سے شہید کر دیا۔ یہ ایک اتنی ٹھوس حقیقت ہے کہ جو ہم کسی بھی مکتب فکر کی باتوں کو تلاش کریں تو اس پہ ساری متفق ہو جاتی ہیں۔ اس سے کسی شیعہ کو انکار نہیں' کسی سنی کو انکار نہیں' کسی دیوبندی کو انکار نہیں' کسی بریلوی کو انکار نہیں' کسی اہل حدیث کو انکار نہیں' کسی بھی مکتب فکر کو اس حقیقت سے انکار نہیں ہے۔ ایک اہمیت تو اس کی یہ بھی ہے کہ باقی سارے جہاد جو ہوئے ان کی نوعیت اور تھی اور اس کی نوعیت اور تھی۔ یہ کوئی فوج کسی فوج سے نہیں لڑ رہی تھی بلکہ خاندان نبوت ﷺ اولاد نبی ﷺ بغیر کسی لاؤ لشکر کے چند خادموں یا چند ہمراہیوں کے ہمراہ بسوئے کوفہ رواں تھے کہ انہیں اہل کوفہ کے لشکر نے آ گھیرا اور اس تصادم میں بہتر افراد شہید ہوئے۔ جن میں حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی اولاد حضرت حسنؓ کی اولاد' حضرت حسینؓ کی اولاد۔ اور ان کے ساتھ جو رفیق سفر تھے خادم تھے اور فقط ایک بچہ بچ سکا حضرت زین العابدینؒ جو اس وقت سخت بیمار تھے اور بیماری اور بخار کی تیزی کی وجہ سے خیمے سے نکل ہی نہ سکے۔ صرف وہ زندہ بچے مردوں میں سے۔

اس کی تاریخی اہمیت اس لئے بھی زیادہ ہو گئی کہ نبی کریم ﷺ کی اولاد تھی۔ آپ ﷺ کے نواسے تھے' آپ ﷺ کی نواسیاں تھیں' ان کی اولاد تھی' خاندان رسالت مآب ﷺ تھا اور بڑی عجیب بات ہے کہ کسی کافر لشکر نے ان پر یلغار نہیں کی۔ کسی دشمن طاقت نے انہیں شہید نہیں کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ ان کے خون کے ذمہ دار ہیں وہ بھی اسی نبی آخر الزمان ﷺ کو نبی ماننے کے دعوے دار بھی ہیں۔ اسی کے امتی ہونے کے دعوے دار ہیں۔ تو یہ حادثہ ان دو نوعیتوں میں سے بالکل مختلف تھا ایک تو یہ کہ خانوادہ نبوت ﷺ کو تہہ تیغ کیا گیا اور دوسری بڑی بات یہ عجیب بات ہے کہ قاتل جو ہیں وہ بھی اسی نبی کا کلمہ

پڑھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ یہ دونوں باتیں بھی اپنی جگہ اتنا وزن رکھتی ہیں کہ یہ واقعہ کبھی دلوں سے ذہنوں سے نکل نہ سکے۔

لیکن اس کی حقیقی اہمیت بالکل اور ہے۔ اگر آپ تاریخ اسلامی کو دیکھیں تو نبی کریم ﷺ نے جو اشخاص پیدا فرمائے اور آپ ﷺ کے بعد جب عہدِ خلافت راشدہ آیا۔ تو وہ ایسے لوگ تھے جن کے سامنے رضائے باری تھی اور مخلوق کی بہتری تھی۔ اقتدار کا نشہ نہیں تھا۔ تاریخ کوئی ایسا دوسرا بندہ پیش نہیں کر سکتی جو استقامت ابوبکر صدیقؓ نے وصال نبوی ﷺ کے وقت دکھائی اور جن مشکل حالات میں وہ گھر گئے۔ کہ ایک طرف نبی کریم ﷺ کا وصال ہو گیا دوسری طرف بہت سے قبائل آمادہ بغاوت ہو گئے۔ تیسری طرف کچھ لوگوں نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا۔ چوتھی طرف مسلیمہ کذاب چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر اپنی نبوت کے دعوے کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ایک طرف رومن ایمپائر کی فوجیں اسلامی سرحدوں پہ نظر لگائے بیٹھی تھیں۔ یعنی ایسے عجیب حالات پیدا ہو گئے کہ مسلمان تو وصال نبوی ﷺ کے صدمے سے چور ہو گئے۔ کسی کا باپ فوت ہوتا ہے تو اسے کتنا دکھ ہوتا ہے۔ کسی کا کوئی مرشد، کوئی نیک بندہ، کوئی ولی اللہ، جس کے ساتھ وہ رہتا ہے اس کا وصال ہوتا ہے۔ تو اس کی حالت کیا ہوتی ہے؟ تو جو لوگ محمد ﷺ کے ساتھ ہر آن رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے وصال پر ان کا حال کیا ہوا ہوگا؟ یہ شاید کوئی دوسرا بندہ ان کے علاوہ سمجھ ہی نہ سکے۔ اب اس عالمِ غم اور انتہائی پریشانی کے عالم میں اتنی ساری مصیبتیں کھڑی ہو گئیں۔ الحمدللہ اللہ کریم نے ایک ایسا اپنا بندہ عطا فرمایا امت کو جس نے نیابت نبوی ﷺ کا حق ادا کر دیا۔ اور بیک وقت سب کو دنداں شکن جواب دیا۔ رومنوں کی فوجوں کے لئے نبی کریم ﷺ نے سپاہ تیار فرمائی تھی ابھی وہ روانہ نہیں ہوئی تھی کہ وصال نبوی ﷺ

> بے کسی اور بے بسی میں مارا جانا، مظلوم ہونا، بھی بڑی بات ہے لیکن قوت و اقتدار رکھتے ہوئے طاقت استعمال نہ کرنا اور شہادت قبول کرنا یہ بڑا مشکل کام ہے

ہو گیا سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اس لشکر کو حکم دیا کہ جو حکم رسول ﷺ کا تھا اس پر عمل کرو اور جاؤ۔ مسلیمہ کذاب کے لئے لشکر ترتیب دیا اور منکرین زکوٰۃ سے اعلان جنگ کر دیا۔ باغیوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ جیسے جرار شخص نے یہ گزارش کی کہ امیر المومنین ہمارے پاس اتنی فوج نہیں ہے کہ ان سب محاذوں پہ لڑ سکیں۔ اگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روما کے خلاف لشکر بھیج رہے ہیں تو مسلیمہ کذاب کو موخر کر دیجیے اور اگر اسے موخر نہیں کرتے تو ان باغیوں اور منکرین زکوٰۃ کو موخر کر دیجئے۔ سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا جواب یہ تھا کہ میں اگر مدینے میں اکیلا رہ جاؤں کہ مجھے خطرہ ہو کہ مجھے جنگل کے بھیڑیے آ کر کھا جائیں گے پھر بھی میں یہ سارے لشکر روانہ کروں گا۔ اور سب سے مقابلہ ہو گا۔ اور اگر مجھے خود شمشیر بکف ہو کر جانا پڑا میں خود میدان میں جاؤں گا۔ اور اللہ کا احسان ہے کہ وہ سارے لشکر سرفراز و سربلند لوٹے۔ منکرین زکوٰۃ کا قلع قمع ہو گیا۔ باغی قبائل کی بغاوت فرد ہو گئی۔ مسلیمہ کذاب مارا گیا۔ رومیوں نے اپنا لشکر پیچھے ہٹا لیا اور یوں سیدنا صدیق اکبرؓ کا جرات مندانہ فیصلہ حق ثابت ہوا لیکن اس میں جو خطبہ خلافت کے وقت سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے دیا اس میں ایک جملہ فرمایا تھا" کہ ہر طاقت ور میرے لئے کمزور ہے اور ہر کمزور کو میں طاقت ور جانتا ہوں کوئی طاقت کے زور سے کسی کا حق دبا نہیں سکے گا اور کوئی کمزور کسی ظالم کے ظلم سہنے پر مجبور نہیں ہو گا۔ یہ وہ بات تھی جو نبی کریم ﷺ نے پیدا فرمائی۔

عہد فاروقیؓ آ گیا۔ عہد فاروقیؓ میں تاریخ انسانی میں کسی حکمران نے جتنے علاقے فتح کیے ان سب میں سے سب سے زیادہ علاقے فتح ہوئے سیدنا عمر فاروقؓ کے عہد میں۔ ایک فہرست ہے جس میں سکندر اعظم بھی ہے۔ جیولیس سیزر بھی ہے۔ دوسرے فاتحین بھی ہیں ایسے لوگ جو فاتحین عالم کہلاتے ہیں۔ وہ بھی ہیں اسی تاریخی دستاویز کو آپ دیکھیں تو کسی نے پچاس ہزار میل، کسی نے ایک لاکھ

میل علاقے فتح کر لیا۔ کسی نے دو لاکھ مربع میل علاقہ فتح کر لیا کسی نے تین۔ چھ لاکھ مربع میل تک فاتحین عالم ملتے ہیں۔ ایسے حکمران ملتے ہیں جن کے عہد میں چھ لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا۔ اب اس سے آگے کوئی نہیں ملتا پھر فاروق اعظمؓ ملتے ہیں جن کے عہد میں چھبیس لاکھ مربع میل علاقہ فتح ہوا۔

چھ اور چھبیس کا فاصلہ ہے۔ فاتحین عالم میں اور فاروق اعظمؓ میں۔ فاتحین عالم جہاں سے گزرے شہروں کو راکھ کا ڈھیر کر گئے۔ تاتاریوں کے لشکر جہاں سے گزرے ویرانوں میں بھی پانیوں میں زہر اور جنگلی جانوروں کو بھی تیروں سے مارتے چلے گئے۔ انسانی سروں کے مینار بنے، شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے۔ فاتحین عالم کی داستان کے ایک ایک حرف سے خون ٹپکتا ہے ایک ایک لفظ سے چیخیں ابھرتی ہیں لیکن اس چھبیس لاکھ مربع میل علاقے میں کسی بوڑھے کی کراہ سنائی نہیں دیتی، کسی بیوہ کا آنسو گرتا دکھائی نہیں دیتا، کسی یتیم کی چیخ سنائی نہیں دیتی، صرف فتح نہیں ہوا عدل ہوا اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ کافروں کو بھی اگر انصاف ملا تو اسلام کے زیر نگین آ کر ملا ورنہ ان کے اپنے حکمران انہیں انصاف نہیں دیتے۔

اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہ کا دور آ گیا۔ اس میں فتوحات جاری رہیں انہیں بھی بغاوت سے شہید کیا گیا اور ان کی شہادت کی داستان بھی بڑی المناک ہے۔ ایک ایسا شخص جس کی افواج افریقہ میں برسر پیکار ہیں، چین میں برسر پیکار ہیں۔ ہسپانیہ میں برسر پیکار ہیں، سلطنت اسلامی دنیا کی بہت بڑی سلطنت، چند سو باغیوں نے ان کے گھر کا محاصرہ کر لیا اور وہ اپنے کسی خادم کی، کسی سرکاری ملازم کی، کسی فوجی، کسی پولیس والے کو حکم نہیں دیتا کہ ان سے مقابلہ کرو۔ جو اعتراضات انہوں نے کیے وہ تاریخ طبری میں موجود ہیں لیکن طبری ہی میں موجود ہے۔ سیدنا عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی ﷺ میں منبر پر بیٹھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اجمعین کو بلا کر معترضین کو بلا کر انہوں نے اعتراضات کے جواب دیے اور اس پر اکثر صحابہ نے رائے دی کہ ان سب کو گرفتار کر لیا جائے اور ان کے سر قلم کیے جائیں۔ یہ بغاوت پیدا کر رہے ہیں۔ بے کسی اور بے بسی میں مارا جانا، مظلوم ہونا، بھی بڑی بات ہے لیکن قوت و اقتدار رکھتے ہوئے طاقت استعمال نہ کرنا اور شہادت قبول کرنا یہ بڑا مشکل کام ہے۔ اتنی بڑی سلطنت کا سربراہ۔ حضرت علیؓ بھی اس مشورے میں تھے کہ انہیں نہ چھوڑا جائے اور جب انہوں نے اپنی فوجوں کے پہرے لگانے سے انکار کر دیا۔ تو حسنین کریمینؓ حضرت عثمانؓ کے دروازے پر پہرے داروں میں تھے جنہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مقرر فرمایا تھا کہ باغیوں کو اندر مت گھسنے دینا۔ اور انہیں کہا گیا کہ آپؓ انہیں سزا دیں۔ فرمایا نہیں میں مدینۃ النبی ﷺ میں قتل وغارت نہیں چاہتا۔ میں نے ساری عمر اس امن کے گہوارے کے لئے جستجو کی ہے، تلاش کی ہے اور اسے بسایا ہے میں اس میں خون نہیں گرا سکتا۔ پھر یہ مشورہ دیا گیا کہ آپؓ حرم نبوی ﷺ سے مدینہ منورہ کے حرم سے باہر تشریف لے جائیں۔ یہ بھی باہر آ جائیں گے ان سے نبٹ لیجیے۔ فرمایا میں نے ساری عمر آرزو کی ہے کہ نبی ﷺ کی رفاقت رہے۔ میں آپ ﷺ کی رفاقت، آپ ﷺ کا پڑوس، چھوڑ کر باہر کیوں چلا جاؤں؟ شہید ہو گئے۔ اس شہادت کے پیچھے بھی باغیوں کا مقصد یہ تھا اور جو حضرت عثمانؓ نے پورا نہیں ہونے دیا۔ اگر وہ ان دس بارہ سو یا گیارہ سو بندوں کو گرفتار کرا لیتے۔ قتل کروا دیتے۔ تو حق پر تھے لیکن اسی وقت کسی فرقے کی بنیاد رکھ دی جاتی اور یہ الزام لگا دیا جاتا کہ خلفائے راشدینؓ ظالم تھے۔ جس نے اعتراض کیا اس کا سر قلم کرا دیا۔ انہوں نے خلافت بھی چھین لی اور انہوں نے دین بھی خراب کر دیا یہ اس وقت بنیاد رکھ دی جاتی جو بعد میں کربلا میں رکھی گئی۔ وہ طاقت، اقتدار کس لئے تھا؟ اپنی جان کے لئے نہیں تھا۔ جان

> **حسنین کریمین رضی حضرت عثمانؓ کے دروازے پر پہرے داروں میں تھے جنہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے مقرر فرمایا تھا**

اس کے لئے تھی۔ وہ طاقت اللہ کی امانت تھی۔ خلافت اللہ کی امانت تھی۔ اقتدار اللہ کی امانت تھی۔ فوجیں اللہ کی تھیں۔ اپنی حفاظت کے لئے لڑانے کے لئے نہیں تھیں۔ اور اگر وہ اپنی حفاظت کرواتے تو انہیں حق حاصل تھا لیکن نتیجہ جو نکلتا وہ یہ ہوتا کہ وہیں سے ایک فرقہ ضالہ کی بنیاد پڑ جاتی۔ کتنا مشکل ہے کہ دین پر حرف نہ آئے۔ لاؤ لشکر بھی رہیں اور کم و بیش چالیس دن ان کے گھر کا پانی بند رہا۔ جس نے جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تھے تو یہود کے پاس ایک کنواں تھا۔ جس میں پانی تھا اور مسلمانوں کو بہت مہنگا دیتے تھے یا دیتے ہی نہیں تھے۔

تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کوئی ہے جو یہودیوں سے کنواں خرید لے اور مسلمانوں کو دے دے اور اس کے بدلے مجھ سے جنت لے لے۔ تو یہی وہ شخص تھا حضرت عثمانؓ جس نے وہ کنواں یہودیوں سے خرید کر مسلمانوں کے لئے وقف کر دیا خود اس کے گھر چالیس دن پانی کی بوند نہیں گئی۔ ساری سختیاں برداشت کیں اور بالآخر مظلوم شہید ہو گئے لیکن کسی کو دین پر اعتراض کرنے کا موقع نہیں دیا۔ آسان کام نہیں تھا۔

یہی سازش چلتی رہی اور اسی کا شکار حضرت علیؓ ہوئے۔ پہلے آپ ان کے خون کے دعوے دار بن گئے۔ حضرت امیر معاویہؓ جو سیدنا فاروق اعظمؓ کی طرف سے شام کے گورنر مقرر تھے۔ عہد عثمانؓ میں بھی گورنر رہے ان کی شہادت پر حضرت علیؓ کی بیعت کر لی گئی خلیفہ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بنے۔

حضرت امیر معاویہؓ ایک بڑے صوبے کے گورنر تھے تو چونکہ عثمان غنیؓ کے وارث تھے تو انہوں نے خون کا مطالبہ کیا اور ان کا مطالبہ یہ تھا کہ یہ دس گیارہ یا بارہ سو جو باغی ہیں ان سب کے سر قلم کیے جائیں۔ اقتدار و اختیار حضرت علیؓ کے پاس انہوں نے فرمایا کہ نہیں، جو قاتل ثابت ہوگا اسے سزا دی جائے گی۔ کوئی ایک ہوگا۔ دو

چالیس دن پانی کی ایک بوند تک نہیں گئی، ساری سختیاں برداشت کیں اور بالآخر مظلوم شہید ہو گئے لیکن کسی کو دین پر اعتراض کرنے کا موقع نہیں دیا

ہوں گے، چار ہوں گے۔ جس کی ضرب سے آپؓ شہید ہوئے جو قاتل ہوگا اسے سزا دی جائے گی۔ اس پر مقام صفین میں آپؓ روبرو بھی ہوئے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ اپنے صوبے کا لشکر تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم بھی تشریف لے گئے لیکن ان لشکروں کا عالم یہ تھا کہ لوگ نماز حضرت علیؓ کے ساتھ پڑھتے تھے اور کھانا امیر معاویہؓ کے پاس کھاتے تھے۔ بعض صحابہ کا عالم یہ تھا تو کسی نے پوچھا بھی کہ یہ تو دونوں لشکر مقابلے میں پڑے ہیں۔ آپ نماز ادھر پڑھتے ہیں کھانا ادھر کھاتے ہیں۔ فرمایا نماز وہ مزے کی پڑھاتے ہیں کھانا اس لنگر پہ مزے کا ہوتا ہے۔ پھر بات ہوئی بھئی بات کیا ہے؟ کس بات کا جھگڑا ہے؟ کیا حضرت امیر معاویہؓ خلافت کے منکر ہیں فرمایا نہیں، خلیفہ بر حق ہیں۔ میں آپؓ کا تابعدار ہوں۔ خلافت کا تو مسئلہ ہی نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ امیر المومنین شہید ہوئے اسلامی تاریخ مسلمانوں کے سربراہ کو ظلماً شہید کیا گیا اس بغاوت میں جتنے لوگ ہیں سب کو قتل کیا جائے حضرت علیؓ فرمایا نہیں، جو بات میں کہتا ہوں وہ حق ہے قتل وہی ہوگا جو قاتل ہے۔ بالآخر اسی بات پہ صلح ہوگئی۔ جب صلح ہوئی تو کچھ وہی لوگ جو باغی تھے اور وہاں چھپے ہوئے تھے انہوں نے رات کو حضرت امیر معاویہؓ کے لشکر پہ حملہ کر دیا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے حملہ سمجھا جائے۔

جب انہیں علم ہوا تو انہوں نے حکم دیا سپاہیوں کو کہ ہر سپاہی نیزے پہ قرآن اٹھا لے اور قرآن لیکر کھڑے ہو جاؤ دیکھو کون تمہیں قتل کرتا ہے؟ کہ جب قرآن پہ فیصلہ ہو گیا لڑنے کی کیا بات ہے؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو پتہ چلا تو انہوں نے فرمایا یہ حکم کس نے دیا ہے چنانچہ ایک طبقہ جو لڑائی کروانے والا تھا وہاں سے الگ ہو گیا۔ جنہیں خارجی کے نام سے آپ جانتے ہیں یہ وہی باغی تھے جو خارجی کہلائے اور بعد میں امیر المومنین حضرت علیؓ کیلئے مسئلہ بنے رہے اور آپؓ کی جنگیں ان سے ہوئیں اور انہی ظالموں کے ہاتھوں حضرت علیؓ شہید ہوئے لیکن صفین میں حضرت علی

نے شام کا گورنر حضرت امیر معاویہؓ کو بحال رکھا اور عہد علویؓ میں بھی گورنر شام حضرت امیر معاویہؓ تھے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شہادت کے بعد حضرت حسنؓ سربراہِ خلافت ہوئے تو وہ شورش بڑھتی رہی کوئی چھ مہینے کے بعد آپؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو بلا کر فرمایا کہ چچا یہ حکومت کا جنجال آپ سنبھالیے یہ مجھ سے قابو میں آنے والا نہیں' وہ خلافت سے دست بردار ہوگئے اور حضرت امیر معاویہ امیر المومنین بن گئے۔ کوئی لمبا عرصہ گورنری کے بعد انہیں اقتدار و اختیار منتقل ہو گیا۔ اب ان کے بعد ان کے وصال کے بعد ان کا بیٹا یزید باپ کے بعد بیٹا سربراہ مملکت بنا۔ اور اس حضرت امیر معاویہؓ نے ولی عہد نامزد بھی کر دیا تھا۔ اکابر صحابہ سے اپنی زندگی میں اس کے لئے عہد بھی لیا تھا لیکن وہ وقت وہ تھا جب قسطنطنیہ پر حملہ کرنے کے لئے حضرت امیر معاویہؓ لشکر بھیجا اس کا کمانڈر یزید تھا۔ اور یزید کے ماتحت لڑنے والوں میں حسنین کریمینؓ شامل تھے اور یہی یزید تھا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ اس معرکے میں شہید ہوئے تو انہوں نے حکم دیا انہوں نے وصیت کی کہ شہر کے جس قدر قریب ہو سکے قسطنطنیہ کے جتنا قریب ہو سکے مجھے دفن کیا جائے۔ چنانچہ لشکر اسلام ان کی میت لے کر شہر پناہ تک گیا شہر کی دیوار تک گیا اور شہر کی دیوار کے ساتھ دفن کر دیا تو قسطنطنیہ والوں نے کہا ہم یہ قبر اکھیڑ کر پھینک دیں گے۔ تو اس یزید نے کہا کہ اس کا مطلب ہے کہ تم سلطنت اسلامیہ میں تمام گرجے گرا دو گے تم اس قبر کو چھیڑ کر دیکھنا۔ تو ریاست اسلامی جو افریقہ سے سائبیریا تک اور چین سے ہسپانیہ تک ہے اس میں کتنے گرجے ہیں کوئی ایک باقی نہیں رہے گا۔ چنانچہ کسی نے اسے چھیڑنے کی جرات نہیں کی قسطنطنیہ پر حملے اس لئے ہوتے رہے۔ کہ نبی کریم ﷺ نے بشارت دی تھی کہ مسلمانوں کا جو لشکر قسطنطنیہ کو فتح کرے گا وہ سارے جنتی ہوں گے لیکن یہ بعد میں آ کر سلطان محمد فاتحؒ کے ہاتھوں فتح ہوا بہرحال ہر مسلمان نے کوشش کی اس بشارت پر۔

تو اس وقت یزید وہ تھا جس کے ماتحت حضرت حسینؓ لڑتے رہے پھر اس یزید سے اتنا شدید تصادم کس بات کی دلیل ہے۔ پھر کیا یزید کربلا میں موجود تھا۔ بہت سے لوگوں نے بیعت کر لی جن میں صحابہ بھی تھے۔ حضرت حسینؓ نے کیوں نہیں کی؟ کیا ریاست کا قانون بدل گیا تھا۔ وہی قانون تھا جو خلافت راشدہ سے آ رہا تھا۔ وہی عدالتیں تھیں جو خلافت راشدہ سے آ رہی تھیں۔ وہی آئین و دستور تھا جو عہد نبوی ﷺ سے آ رہا تھا کیا کسی نے قرآن بدل دیا؟ قرآن بھی وہی مانا جا رہا ہے۔ نمازیں بھی وہی تھیں۔ روزے بھی وہی تھے۔ سب کچھ اگر وہی تھا تو کہا یہ جاتا ہے کہ یزید اچھا آدمی نہیں تھا پھر بعد میں اس کا کردار خراب ہو گیا۔ تو اس کا ذاتی کردار اگر خراب بھی ہو تو اس کی خرابی سے تو پورے ملک میں اتنی بڑی ریاست میں کوئی فرق پڑنے والا نہیں۔ جب آئین و دستور اسلامی پہ عمل ہو رہا ہے۔ عدالتیں اسلام کے مطابق فیصلے کر رہی ہیں۔ قانون سارا شریعت کا اور قرآن کا نافذ ہے تو پھر کیا ہے؟

ہر سپاہی نیزے پہ قرآن اٹھالے اور قرآن لیکر کھڑا ہو جائے۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون تمہیں قتل کرتا ہے؟۔

یزید وہ شخص ہے جس نے پہلی بار اقتدار 'فوج' طاقت' حکومت' اپنی سمجھ لی تھی اگر یہ فیصلہ' اگر یہ خیال' اگر یہ صورت حال' حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں ہوتی تو حضرت حسینؓ انہی سے لڑ چکے ہوتے۔ کم و بیش ایک لاکھ انتیس ہزار سالانہ وظیفہ تھا حضرت حسینؓ کا جو حضرت امیر معاویہؓ انہیں نواسہ رسول ﷺ سمجھ کر ان کی خدمت کے لئے ادا کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی اس پہ اعتراض نہیں کیا وہ تو وصول کرتے رہے کبھی ان کے ساتھ جنگ کا' تصادم کا خیال تک نہیں آیا۔ جب یزید سربراہِ خلافت ہوا اور نام کو تو امیر المومنین بنا لیکن ایک بہت بڑی تبدیلی آئی کہ اس نے ریاست کو، سلطنت کو، اقتدار کو، اختیار کو، طاقت کو، فوج کو، اپنا سمجھ لیا تھا اور یہ پورا جو اسلامی تاریخ کا ایک تسلسل آ رہا

تھا۔ اس میں اتنی بڑی تبدیلی تھی جو کسی ایک فرد کے کافر ہو جانے سے کہیں بہت بڑی تھی۔ ایک شخص اگر مرتد بھی ہو جاتا تو اسلام کا کیا بگڑتا؟ اللہ دس بندوں کو اور کو ہدایت دے دیتا۔ لیکن ایک طرز ریاست جو محمد رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمایا تھا اس ڈگر سے پوری قوم کو ہٹانے کا' اس ریل گاڑی کو دوسری پٹڑی پر ڈالنے کا کام شروع ہو گیا تھا۔ جس کے آگے حضرت حسینؓ کھڑے ہو گئے وہ ٹرین گزر گئی۔

سارا خانوادہ نبوی ﷺ خاک و خون میں لوٹ گیا۔ اس کے نیچے کرچی کرچی ہو گیا۔ لیکن تاریخ کو' زمانے کو' یہ بتا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ اور کس کے لئے ہے۔ کسی فرد واحد کی طاقت نہیں' کسی فرد واحد کی حکومت نہیں' کوئی فرعون نہیں مانا جائے گا۔ کسی فرد کے فیصلے نہیں مانیں جائیں گے۔ سارے فیصلے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہوں گے اور سربراہ سلطنت ان کا امین ہو گا۔ اور ان کی طرف سے فیصلے نافذ کرنا اس کی ذمہ داری ہو گی۔ اپنے فیصلے نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ حقوق انسانی کا مسئلہ تھا۔

غیر مسلموں کو' ذمیوں کو' کافروں کے بھی انسانی حقوق تھے جو متاثر ہوتے تھے۔ یہ انسانیت کے حقوق کا مسئلہ تھا۔ جس کی قیمت حضرت حسینؓ نے چکائی اور ادا کی اور دونوں راستے واضح کر دیئے کہ حق کا راستہ کونسا ہے؟ اور باطل کی بنیاد کہاں سے پڑتی ہے؟ بڑے دکھ کی بات تو یہ ہے کہ ہم نے واقعہ تو یاد رکھا ہمیں دکھ ہوتا ہے چونکہ ہمیں خاندان نبوت ﷺ سے عشق ہے' پیار ہے' محبت ہے لیکن ہم نے کبھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کیا کہ آخر انہوں نے اتنی بڑی قربانی کیوں دی اور اگر حقوق انسانی کے لئے دی تو کیا میں اور آپ حقوق انسانی غصب تو نہیں کر رہے؟ کیا ہم دوسروں کے حقوق کے لئے دفاع کرتے ہیں؟ اُن کی مدد کرتے ہیں۔ مظلوم کی مدد کرتے ہیں۔ ظالم کا ہاتھ روکتے ہیں یا ہم بھی ظالم سے وظیفے لے کر اُس کے لئے زندہ باد کے نعرے لگانے والوں میں ہیں۔

> قسطنطنیہ پر حملے اس لئے ہوتے رہے کہ نبی کریم ﷺ نے بشارت دی تھی کہ مسلمانوں کا جو لشکر قسطنطنیہ کو فتح کرے گا وہ سارے جنتی ہوں گے لیکن یہ بعد میں آکر سلطان محمد فاتح کے ہاتھوں فتح ہوا۔

گذشتہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ چھپن برس گزر گئے۔ اسلام کے نام پر ہم نے ملک حاصل کیا اور ہمارا سب سے بڑا مسئلہ ہی اسلام بن گیا ہے کہ اسلام نہیں نافذ ہو سکتا یہ بڑا کٹھن کام ہے۔ بھئی کیا مشکل ہے اسلام میں؟ کیوں نافذ نہیں ہو سکتا؟ ایک تو جی معاشی مشکل ہے۔ جی معاشی مشکل یہ ہے کہ سود بند کر دو تو امیر جو امیر تر ہو رہا ہے وہ رُک جائے غریب کو بھی کھانے کو مل جائے گا۔ تو امراء غریب کو کھانے کو دیں تو کل وہ اُن کے گریباں پکڑیں وہ تو نہیں دیں گے۔ کہتے ہیں یہ غریب غریب سے غریب تر ہوتا چلا جائے۔ اس لئے اسلام نافذ نہیں ہو سکتا سود ہم بند نہیں کرنا چاہتے۔ اسلام نافذ نہیں ہو سکتا کہ فرد واحد کی مرضی نہیں چلنے دیتا۔ سارے لاؤ لشکر' سارے سرکاری وسائل' ساری فوجیں' ساری حکومت' سارے خزانے' ایک شخص کی حفاظت کے لئے اور اُس کی صوابدید کے لئے ہیں۔ باقی کسی کا کسی سے کوئی جو سر اٹھائے اُس کا سر قلم کر دو جو بات کرے اُس کی زبان کاٹ دو۔

میں نہیں کہتا آپ فیصلہ کریں کیا یہ حسینیت ہے یا یزیدیت ہے؟ بڑے بڑے جبہ و دستار اور عمامے باندھے ہوئے عصا اٹھائے ہوئے جو لوگ زندہ باد کے نعرے لگا رہے ہیں یہ کس لشکر میں ہیں؟ کس صف میں کھڑے ہیں؟ اور ہم جو یا تو کوئی مجلس پڑھا کر یا جا کر ماتم کر کے یا گھر میں دیگ پکا کر بے فکر ہو جاتے ہیں۔ کیا ہم نے اُس قربانی کربلا کا حق ادا کر دیا؟ بس اتنی سی بات تھی یہ جو چند مسکینوں میں چاول پکا کر بانٹ دو۔ یا چند لوگوں کو حلوہ کھلا دو یا دو۔ ختم قرآن مجید کے کر دو۔ یا پھر گلی میں جمع ہو کر شور شرابا کر کے رو پیٹ کے گھر چلے جاؤ قصہ ختم ہو گیا۔ کیا یہ مقصد تھا اتنی بڑی عظیم قربانی کا؟ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ آقا نامدار ﷺ کے خون کی

اہمیت اور عظمت کیا ہے؟

اللہ کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو جوتا پہنتا ہے وہ جوتا ذاکر ہو جاتا ہے اُس کی نس نس سے اللہ کا نام نکلتا ہے۔ وہ منور ہو جاتا ہے' جو کپڑا پہنتا ہے وہ منور ہو جاتا ہے۔ جس سواری پہ بیٹھتا ہے وہ جانور دنیا کے جانوروں سے سرفراز ہو جاتا ہے۔ جس زمین پہ قدم رکھتا ہے زمین کا وہ چپہ دوسری زمین سے اس طرح ہو جاتا ہے جس طرح آسمان پر چاند۔ اور اللہ کا وہ رسول ﷺ جس پر شجر و حجر درود پڑھتے ہیں جس طرف رُخ فرماتے ہیں پتھر بھی صلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں۔ درخت بھی صلوٰۃ والسلام پڑھتے ہیں۔ اللہ کا وہ رسول ﷺ جس کے در پر فرشتے آتے ہیں تو اندر آنے کی اجازت لیتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ دنیا سے وصال فرمانے والے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی گود میں ہیں اور سر مبارک اُن کے سینہ پاک پر رکھا ہوا ہے۔ حضرت فاطمہؓ صاحبزادی رسول ﷺ جگر گوشہ رسول ﷺ پاس ہیں اور گلی سے آواز آتی ہے یا رسول اللہ ﷺ اندر آنے کی اجازت ہے۔ حضرت فاطمہؓ نے جھڑک دیا کون ہے؟ دیکھ نہیں رہے ہو اللہ کے رسول اللہ ﷺ تکلیف میں ہیں۔ آپ ﷺ کی طبیعت ناساز ہے۔ تو تو کون ہے؟ اجازت لینے والا تو حضور ﷺ فرماتے ہیں بیٹا یہ تیرے باپ کا دروازہ ہے ورنہ یہ کسی سے پوچھ کر نہیں جاتا پوچھنے والا ملک الموت ہے اور یہ تیرے بابا کا دروازہ ہے جہاں سے اجازت لے رہا ہے۔

اب اللہ کے ایسے بندوں کو جو اُس گھر کے باسی ہوں۔ لب دریا ظلم سے' جور سے' بھوکا پیاسا بے کس بنا کر شہید کر دیا جائے۔ کیا وہ شہید ہوتے؟ کیوں بات مان لیتے اور لوگوں نے بھی مان لی تھی وہ بھی بیعت کر لیتے اگر وہ بھی بیعت کر لیتے تو بات یہ ہوتی کہ خیر ہے جو بھی چاہے اور جو چاہے ٹھیک ہے۔ کلمہ پڑھتا رہے' نماز پڑھتا رہے' بس اسلام کو کوئی خطرہ نہیں'

> یزید وہ شخص ہے جس نے پہلی بار اقتدار' فوج' طاقت' حکومت' اپنی سمجھ لی تھی اگر یہ فیصلہ' اگر یہ صورت حال' حضرت امیر معاویہؓ کے عہد میں ہوتی تو حضرت حسینؓ انہی سے لڑ چکے ہوتے۔

ٹھیک ہے۔ اسلام ذاتی کلمے' نماز' روزے کا نام نہیں ہے اسلام اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعلقات کا نام ہے۔ اللہ کے ساتھ تعلق، اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ تعلق اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ تعلق کا نام اسلام ہے۔ اللہ کے ساتھ ایمان کا اور عبادت کا تعلق ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایمان اور اطاعت کا تعلق ہے۔ مخلوق کے ساتھ حق و انصاف کا تعلق ہے جہاں بھی جو چیز بھی گرے گی اسلام کا ستون گر جائے گا۔ اللہ سے تعلق تو لوگ زبانی دعویٰ کر کے ہم بنا لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں میں اللہ کو مانتا ہوں۔ اللہ جانے اور ماننے والا جانے۔ کسی کو کیا خبر ہے؟ مانتا ہے نہیں مانتا۔ ہم نمازیں پڑھ لیتے ہیں کیا خبر ہے دل سے پڑھ رہا ہے یا دکھاوے کی پڑھ رہا ہے۔ ہم نبی کریم ﷺ جیسا حلیہ بنا لیتے ہیں کیا خبر دل سے بنایا' محبت سے بنایا' یا رواجاً بنایا۔ اگرچہ اب عبادتیں بھی کم ہو رہی ہیں۔ نمازیں بھی چھوٹ رہی ہیں۔ سنتیں بھی چھوٹ رہی ہیں لیکن پھر بھی اس میں تو کوئی مشکل نہیں لیکن جب معاملہ اللہ کی مخلوق سے آتا ہے تو ہر وہ بندہ جس سے آپ معاملہ کرتے ہیں وہ جج بن جاتا ہے کہ یہ میرے ساتھ کیا کر رہے ہو؟ اگر اس کو نکال دو تو باقی اسلام کیا بچا؟ یہ وہ بات تھی جسے قائم رکھنے کے لئے نواسہ رسول ﷺ نے پورا خاندان نبوت قربان کر دیا۔ کیا حضرت حسینؓ نے یہ نہ سوچا ہوگا کہ روز حشر آقائے نامدار ﷺ مجھ سے بھی پوچھ بیٹھیں گے کہ تم نے میری بچیوں کو کیوں رُلایا؟ کیوں انہیں صحراؤں کی خاک چھنائی؟ اور تم نے میرے جگر گوشوں کو کیوں نوک سناں پہ چڑھایا؟ تم کون ہوتے ہو؟ مان لیتے تم۔ کیا حضرت حسینؓ کے پاس جواب ہوگا۔ سوائے اس کے کہ وہی باتیں تھیں یا خون نبوت بہہ کر یہ لکھ دیتا کہ حق حق ہے اور باطل باطل ہے اور باطل کی اطاعت نہیں کی جائے گی اور یا ہم باطل کو دندنانے کا موقع دے دیتے۔ قربانی کربلا نے قیامت تک یہ تحریر لکھ دی کہ جو شخص بھی اپنی من مانی کی حکومت کرے گا اُس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اسلام اُسی کی اطاعت کا حکم

دے گا جو اللہ کا قانون نافذ کرے گا۔ اللہ کے رسول ﷺ کا قانون نافذ کرے گا۔ اور اللہ کی کتاب کا قانون نافذ کرے گا۔ بڑے بڑے علماء بڑے بڑے فضلاء عہد حاضرہ کے بڑے بڑے مجتہد اور دینی رہنما لاکھوں روپوں کے فنڈز تو لے رہے ہیں۔ کروڑوں روپے تو اسمبلی پہ خرچ ہو رہے ہیں۔ وردی پہ تو اعتراض ہے' ایل ایف او پہ تو اعتراض ہے' نظام اسلام کے لئے تو کوئی بات بھی نہیں کرتا۔ اور اس میدان کو میدان کربلا سمجھا جائے تو مجھے گن کر بتائیے ملک میں حسینی کتنے ہیں؟ کونسی سیاسی جماعت' کونسی دینی جماعت' کونسے علامہ صاحب' کون ہیں آج حسین کی صف میں۔

اور یہ ڈھول بجانے سے' مرثیے پڑھنے سے' دیگیں پکانے سے' بات نہیں بنے گی اس کا مطلب ہے کہ ہم نے اُس قربانی کی اہمیت کو سمجھنے کا تکلف ہی نہیں کیا۔ ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ کم از کم اپنے اس ایک وجود کو تو سیدھا کر سکتے ہیں۔ ہم تو یزید نہ بنیں۔ یہاں تو ہر فرد میں کسی میں چھوٹا' کسی میں بڑا' یزید چھپا بیٹھا ہے۔ جس کو اس زمین کا ملتا ہے کسی کا چھین لیتا ہے۔ جس کسی کی عزت قابو آتی ہے لوٹ لیتا ہے۔ تو کربلا ایک سانحہ' ایک واقعہ ہے' حادثہ نہیں ہے میں یہاں سے سڑک پر نکلتا ہوں گاڑی آتی ہے ٹکر لگتی ہے مر گئے۔ یہ حادثہ ہے۔ ایک گاڑی کو روکنے کے لئے سینہ تان کے کھڑا ہو جاتا ہوں کہ نہیں گزرنے دوں گا اور وہ اوپر سے گزر جاتی ہے یہ حادثہ نہیں یہ ایک واقعہ ہے۔ اس میں کسی کا کوئی جذبہ ہے' کچھ جذبات ہیں' کوئی بات ہے' کسی چیز نے اُسے کھڑا ہونے پہ مجبور کر دیا؟ کربلا سانحہ نہیں ہے' حادثہ نہیں ہے' واقعہ ہے عمداً جان بوجھ کر بیعت کر لیتے جھگڑا ختم ہو جاتا کیوں نہیں کی؟ اس لئے نہیں کہ اس عالم میں' اس سوچ کے بندے کی بیعت نہیں کروں گا اگر میں بھی بیعت کر لوں تو قیامت تک لوگ من مانیاں کرنے کا

> اللہ کا رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام جو جوتا پہنتا ہے وہ جوتا ذاکر ہو جاتا ہے اُس کی نس نس سے اللہ کا نام نکلتا ہے۔ جو کپڑا پہنتا ہے وہ منور ہو جاتا ہے۔ جس سواری پہ بیٹھتا ہے وہ جانور دنیا کے جانوروں سے سرفراز ہو جاتا ہے۔

ایک دروازہ کھول دیں گے۔ یہ بات نہیں مانی جائے گی آج اللہ کی کون سنتا ہے۔ کون نبی ﷺ کے فرمان کو مانتا ہے۔ کون دین کی پرواہ کرتا ہے؟ اور کون اُسے روکنے والا ہے۔

ہاں! بس قوم نے آسان سا راستہ اپنا لیا۔ کسی نے مرثیے پڑھے' کسی نے دھڑے پڑے' کسی نے سینہ کوبی کر لی' کسی نے دیگ پکا لی' کسی نے حلوہ پکا لیا' کسی نے روزہ رکھ لیا چلو۔ اور عید کی طرح ایک یوم عاشورہ منا کر سارے جنتی ہو کر چلے گئے' ہر کوئی سمجھتا ہے میں نے جنت خرید لی ہے۔ بھئی جنت اُس کی اپنی ہے مفت میں دے اور سب کو دے۔ ہم تو کہتے ہیں سب کو دے کہ اتنی مخلوق نہیں ہے جتنی وسیع اُس کی جنت ہے اور سب کو بے حساب دے۔ پھر بھی اُس کی رحمت ختم نہیں ہوتی۔ اُس کی کوئی حد نہیں ہے۔ دے سب کو دے ہمیں کیا اعتراض ہے؟ لیکن اُس کا اپنا فیصلہ ہے کہ راستہ ایک ہی ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ کے قدموں سے ہو کر گزرتا ہے۔ پھر آپ ﷺ کے ساتھ مقابلہ کر کے آپ ﷺ کی شریعت کے ساتھ مقابلہ کر کے آؤ گے تو پھر جنت کا راستہ نہیں پاؤ گے۔ غلامی اور اطاعت کا ایک ہی راستہ ہے۔

میرے بھائی! محرم تو ہر سال آتا ہے۔ ہنگامے بھی ہر سال ہوتے ہیں لیکن کیا کوئی ایسا سال بھی آئے گا؟ جو نتیجہ خیز بھی ہوگا۔ کسی تبدیلی کا سبب بھی بنے گا۔ ایک بات آپ کو میں بتا دوں کہ ایسا سال ضرور آئے گا اور جگہ جگہ کربلائیں سجیں گی اور بڑا خون بہے گا۔ حق غالب آئے گا اور باطل کو منہ کی کھانی پڑے گی یہ طے ہے انشاء اللہ ایسا ہوگا اب کون کس طرف ہے یہ ہمیں دیکھنا ہے کہ ہم کس صف میں ہیں۔

حسن نثار نے ایک شعر کہا تھا کہ

میرا حسین ابھی کربلا نہیں پہنچا
میں حر ہوں مگر لشکر یزید میں ہوں

حضرت حُرؓ عین کربلا میں کوفیوں کا لشکر چھوڑ کر حضرت حسینؓ کے ساتھ شامل ہو گئے اور اُن کے ساتھ شہید ہو گئے۔ تو اُس نے کہا میں حر ہوں مگر لشکر یزید میں ہوں۔ تو میں نے ایک شعر کہا تھا کہ

میرا حسینؓ سدا کربلا میں رہتا ہے

کربلا کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ یہ تو ہر ہر لمحہ بپا ہے۔ ہر ہر لمحہ زندگی کا کربلا ہے کہ آپ کس طرف جا رہے ہیں؟

میرا حسینؓ سدا کربلا میں رہتا ہے
میں حرہوں کسی یزید کا غلام نہیں

تو محرم یہ چونکہ سارے احباب لکھتے ہیں۔ شاید اگلے دن میں نے بھی کچھ لکھا تھا چلو اسی پہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے اسے مرثیہ پڑھیں، مدح پڑھیں، اسے تاریخ پڑھیں، ثنا پڑھیں، تاریخ سمجھیں، جو بھی ہے اس پہ بات کو ختم کرتے ہیں کہ

ظلمت شب بڑھتی ہی جاتی ہے الٰہی
ہو کرم تیرا اب تو ہمیں صبح جلی دے
پُر خار ہوا چاہتا ہے ہر سروسمن تک
مہکے گا گلستان جو طیبہ کی کلی دے
مالی تھے کبھی آج وہ گلچین ہوئے ہیں
اس دیس میں اب ایک مدینہ کی گلی دے
اس عہد کے فرعون وہ فرعون نہیں ہیں
چاہیے نہ عصا یہاں تو صرف ایک ڈلی دے
ہر روپ میں ہر سمت ہی اک کربلا و بلا ہے
اس آس پہ زندہ ہیں کہ اب پاس ولی دے
ہے لشکر کوئی تو آمادہ پیکار
دے ہم کو خدایا تو حسینؓ ابن علیؓ دے
تو اللہ اس قوم کو ایک حسینؓ دے دے

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العلمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆......عبدالخالق عباسی، بالاکوٹ مانسہرہ کی والدہ فوت ہوگئیں ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......محمد اشرف بنہ میانوالہ سرگودھا کے والد محترم قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......سلسلہ عالیہ کے ساتھی عبدالرشید اعوان کے بڑے بھائی عبدالعزیز اعوان قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد حبیب اللہ (منارہ) کے والد علی محمد بکھر بار انتقال کر گئے ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......شیخ فضل الٰہی ایڈووکیٹ (لاہور) کے بھائی قضائے الٰہی سے فوت ہو گئے ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......محمد فرحان، محمد ریحان سپیشل کلاس (گوجرانوالہ) کی والدہ نعیمہ باجی وفات پا گئیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......حمید عالم، کراچی کی والدہ محترمہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......محمد بشیر (سیالکوٹ) کی اہلیہ انتقال کر گئیں ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......محمد مصروف عباسی (اسلام آباد) کی والدہ انتقال کر گئیں ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......ڈاکٹر منیر احمد، اسلام آباد کی ساس صاحبہ انتقال کر گئیں ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......صوبیدار محمد حسین (راولپنڈی) کی ہمشیرہ انتقال کر گئیں ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......اٹک الاخوان کے ضلعی صدر ملک صفدر حسین کی والدہ محترمہ اللہ تعالیٰ کو پیاری ہو گئی ہیں۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اے اللہ!

ہمیں جذبہ جہاد اور
جذبہ شہادت عطا فرما

U.K. گارمنٹس (انٹرنیشنل)

ایکسپورٹرز اینڈ مینوفیکچررز
آف ہوزری گارمنٹس

گارمنٹس اور بہترین ہوزری مصنوعات
یورپ اور امریکہ کو ایکسپورٹ کی جاتی ہیں

برائے رابطہ:۔ پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون نمبر:۔ 665971

نفاذ اسلام

نفاذ اسلام کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ جس بندے کو اللہ پر ایمان ہے، نبی ﷺ پر ایمان ہے، اللہ کی کتاب پر ایمان و یقین ہے وہ اپنا کردار بھی کتاب و سنت کے مطابق ڈھال لے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا نہ کھائے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شادی نہ کرے، گھر نہ بنائے اور اچھی گاڑی نہ رکھے بلکہ اسلام تو صاف ستھرا اور آسودہ زندگی بسر کرنے کا حکم دیتا ہے

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 13-2-04

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الم تر انا ارسلنا الشیطین علی الکفرین تؤزھُم ازًّاo فلا تعجل علیھم انما نعدُ لھُم عدًّاo

سورۃ مریم سولھویں پارے میں نویں رکوع کی یہ آیت مبارکہ ہے اور اس میں فطرت کا ایک اصول ارشاد فرمایا ہے۔ کہ آپ دیکھ رہے ہیں ہم کافروں پر شیطانوں کو بھیج دیتے ہیں۔

انا ارسلنا الشیطین علی الکفرین

اور یہاں اس قرآن حکیم میں جو اردو ترجمہ لکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے۔ تؤزھُم ازًّاo وہ انہیں بُرائی پر برانگیختہ کرتے رہتے ہیں۔ فلا تعجل علیھم۔ آپ ان کی فکر نہ کیجئے کہ یہ کیوں موج کر رہے ہیں؟ یہ عذاب سے کیوں بچے ہوئے ہیں؟ انما نعدُ لھُم عدًّاo ہم بھی ان کے لئے دن شمار کر رہے ہیں۔ فطرت نے، قدرت نے، رب العلمین نے، جو مہلت دے رکھی ہے وہ گنتی کے دن ہیں۔ اُسے ختم ہونا ہے اور انہیں اپنے کیئے کی سزا ملنا ہے۔

اس آیت مبارکہ کو سمجھنے کے لئے ہمیں یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ہے عقیدہ، ایمان اور دوسرا حصہ عمل

اگر ایمان کے ساتھ عمل میں مطابقت پیدا ہو جائے تو دنیا بھی ہماری، آخرت بھی ہماری ہوگی

ہے۔ اب جس نے عقیدہ صحیح اختیار نہیں کیا وہ تو صریح کافر ہے۔ اُس پر شیطان مسلط ہوگا۔ اُس کو شیطان مشورے دے گا، برانگیختہ کرے گا، بھڑکائے گا، یہ کر دو وہ کر دو۔ تمہاری شان کے لائق یہ ہے، تمہاری اس میں بہتری ہے، دنیا تمہارا لوہا مانے گی، وہ اُسے اس طرح برانگیختہ کرتا رہے گا اور اُس سے مظالم کراتا رہے گا۔ دوسرا حصہ عمل کا ہے بڑی عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی کافر بھی عملی زندگی میں ایسے اقدامات اپنا لے جن کو اپنانے کا اسلام نے حکم دیا تو اُس کا دنیوی فائدہ اُسے ضرور ہوگا۔ مثلاً تجارت کا اُصول ہے کہ آپ دھوکا نہ دیں اور صحیح قیمت وصول کریں۔ جس چیز کی قیمت وصول کریں وہ چیز صحیح اور پوری دیں۔ اب اگر کوئی کافر بھی لین دین میں یہ معاملات اپنا لے گا تو تجارتی فائدہ اور مالی فائدہ ضرور حاصل کرے گا۔ اور کافر کرے گا بھی دنیاوی فائدے کے لئے، اعمال اور عمر بھی زندگی کا ایک سکہ ہے۔ ہماری نیت، ہمارا ارادہ، ایک کرنسی ہے۔ جس طرح آپ دکاندار کو سکہ دے کر چاول طلب کرتے ہیں تو چاول ہی ملتے ہیں۔ شکر طلب کرتے ہیں تو شکر ہی ملتی ہے۔ اسی طرح نیت اور ارادے سے جب ہم کام دنیوی فائدے کے لئے کرتے ہیں تو دنیوی فائدہ ہی ملتا ہے۔ اُس سے آخرت نہیں ملتی۔ اور جب ہم کوئی کام اس لئے کرتے ہیں کہ یہ طریقہ کار جو ہے اس سے میرا پروردگار راضی ہوگا اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق ہے۔ مجھ پر میرا رسول ﷺ راضی ہوگا تو اُس کی دنیوی فائدہ بھی ہوتا ہے اور اُخروی فائدہ بھی

ہوتا ہے۔ یعنی اگر ایمان کے ساتھ عمل میں مطابقت کی جائے تو دنیا بھی ہماری، آخرت بھی ہماری' اور اگر کافر بحالت کفر بھی مثلاً انصاف کے معاملے میں وہ کسی کی سفارش نہیں مانتا' رشوت نہیں لیتا' تو فائدہ اُسے دنیا میں ہوگا۔ لین دین کے معاملے میں' معاملات کے معاملے میں۔ اب آپ اگر جائزہ لیں ترقی یافتہ دنیا کا' جاپان ہے یا مغرب تو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک موٹا سا ایٹم لے لیں۔ جاپان سے گاڑیاں اسمبل ہو کر آتی تھیں انہی کمپنیوں نے پاکستان سے معاہدہ کیا۔ کمپنیاں جاپان کی ہیں۔ میٹریل وہاں سے بھیجتے ہیں۔ اسمبل یہاں ہوتی ہیں۔ جاپان اسمبل اور اپنی اسمبل گاڑی کو کھڑا کر کے دیکھ لیں کتنا فرق ہے؟ جاپان کی سیکنڈ ہینڈ گاڑی پاکستان کی بنی ہوئی نئی گاڑی سے زیادہ خوبصورت ہے اور اُس کے جوڑ اور اُس کے کھڑکیوں کا کھلنا بند ہونا اور اُس کے جو سیٹیں اور ڈائش بورڈ، جس چیز کو بھی دیکھیں۔ پاکستان اسمبل نئی بھی جو ایسے پتہ لگتا ہے کہ بڑی پرانی ٹوٹی پھوٹی گاڑی ہے اور اس کے تو جوڑ ہی صحیح نہیں بیٹھے۔ اب اگر تجارت کے بارے میں جاپان کے دو اصول ہیں' ایک تو جو چیز بناتا ہے وہ کوشش کرتا ہے ہینڈرڈ پرسنٹ (سو فیصد) صحیح ہو' دوسرا اجارہ داری نہیں ہے۔ پوری پبلک پر عام ہے۔ کوئی کوئی پُرزہ بناتا ہے۔ کوئی کچھ بناتا ہے۔ کوئی کچھ بناتا ہے۔ کمپنیاں اُن سے لے کر اُسے اسمبل کر کے آگے چیز بیچ دیتی ہیں۔ ملک بھی خوش حال ہے اور پوری دنیا کی مارکیٹ میں خود امریکہ کے گھر میں وہ امریکہ کو مار رہا ہے۔

اب جاپان کی امریکہ کے مقابلے میں کیا حیثیت ہے؟ جاپان ایک ایسا ملک ہے جس کے پاس خام مال بھی نہیں ہے۔ وہ خام مال بھی باہر سے منگواتا ہے۔ چیزیں بنا کر پھر باہر بیچتا ہے۔ دنیا بھر کی مارکیٹ کو مصیبت میں ڈال رکھا ہے۔ سب سے بازی لے جاتا ہے اس لئے کہ یہ سارا کام وہ بڑی محنت اور بڑی دیانت داری سے کرتا ہے۔ اُس کے پاس ایمان تو نہیں ہے

> **اُس کے پاس ایمان تو نہیں لیکن محنت اور دیانت کا صلہ دنیا میں اُسے یہ مل رہا ہے کہ وہ دنیا کی مارکیٹ پہ چھایا ہوا ہے۔**

لیکن محنت اور دیانت کا صلہ دنیا میں اُسے یہ مل رہا ہے کہ وہ دنیا کی مارکیٹ پہ چھایا ہوا ہے۔ انہی ترقی یافتہ ممالک کو آپ دیکھ لیں کہ انہوں نے مالی نظام میں سود کو اولیت دی اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ انہی ممالک میں ایک طبقہ انتہائی امیر ہو گیا اور ایک طبقہ اتنا غریب ہو گیا ہے کہ اُس کے پاس رات گزارنے کو جگہ نہیں ہے۔ نیو یارک جیسے شہر میں ساٹھ فیصد آبادی فٹ پاتھ پہ ہوتی ہے۔ پیرس جیسے شہر میں لوگ فٹ پاتھ پہ ہوتے ہیں۔ لندن میں، میں نے پلوں کے نیچے اور فٹ پاتھ پر لوگوں کو رات گزارتے اور سوتے دیکھا ہے۔ میرے پاس تصاویر ہیں جو میں نے لیں کہ نیو یارک میں میں نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو عمر رسیدہ تھے اور کوڑے کے ڈھیر سے پرانے ٹکڑے ڈبل روٹیوں کے اور پرانے ٹین بیئر کے تلاش کر کے ایک ایک قطرہ نچوڑ کے پی رہے تھے۔ اس لئے کہ معیشت سودی ہے اور جو لعنت سود کے ساتھ ہے کہ ایک طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا جائے اور غریب غریب سے غریب تر ہوتا ہے۔ اُس سے اب اس طرح تھک چکے ہیں کہ جو میری معلومات کے مطابق نئی اطلاع ہے وہ یہ ہے کہ امریکہ بلا سودی نظام شروع کرنا چاہ رہا ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ اپنی معیشت میں سے سود کو ختم کر دے۔ اس لئے نہیں کہ وہ ایمان لے آیا ہے۔ اس لئے کہ اُس کے بُرے اثرات سے وہ تھک چکا ہے۔ اور اُس کے ساتھ معیشت بحال کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تو کافر بھی اگر عمل اسلامی اصول کے مطابق کرے گا تو اُس کے دنیوی فوائد وہ بھی پائے گا۔ اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جی آپ ویسے ہی کہتے ہیں تو جن معاملات میں انہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے اُن میں اُن کا حال دیکھ لیں۔ مثلاً انہوں نے کہا جی شراب ہم ضرور پئیں گے، نشہ ضرور کریں گے۔ دیکھ لیں اُن کا کیا حال ہے؟ مرد اور عورت کے رشتے کے معاملے میں انہوں نے کہا جی آزادی ہے۔ جو جی چاہے گا کریں گے اب اسی پہ وہ خود کہتے ہیں کہ ہمارے خاندان تباہ ہو چکے اور ہم اُس نظام کو بچا نہیں سکتے اور جتنا ہم قوم کو آگے لے جا چکے

ہیں۔ اب ہم انہیں سنبھال ہی نہیں سکتے' اب عورت کی آزادی کے نام پر بے حیائی نے مغرب کا خاندانی نظام تباہ کیا۔ پتہ نہیں کون کس کا بیٹا ہے؟ کون کس کا وارث ہے؟ کون کس کا کیا لگتا ہے؟ کسی کے دل میں کسی کا احترام نہیں کس کو کسی کا لحاظ نہیں' سارا سسٹم تباہ ہو گیا۔ تو جہاں جہاں ان قوموں نے بھی اپنی پسند کا عمل اختیار کیا وہاں شیطان انہیں بُرائی کی انتہائی حدوں تک لے گیا۔ اب اس کا دوسرا پہلو یہ ہے۔

کہ بندہ مومن جب ایمان لے آیا تو شیطان کی یلغار سے بچ گیا۔ کیونکہ شیطان تو ہیں۔ انا ارسلنا الشیٰطین علی الکٰفرین. ہم تو شیطانوں کو کافروں پہ چھوڑ دیتے ہیں لیکن یاد رکھیں! نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد گرامی ہے فرمایا من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر. او کما قال رسول اللہ ﷺ . کہ جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی بغیر عذر شرعی کے، اُس نے کفر کیا۔ اب بالاجماع نماز کا چھوڑنا گناہ تو ہے فسق ہے' کفر نہیں ہے۔ تو پھر اس حدیث کا مفہوم علمائے حدیث متعین فرماتے ہیں کہ نماز چھوڑنے کا کام جو ہے یہ کام ایسا ہے جو کافر کرتے ہیں۔ یعنی اُس نے کافروں جیسا کام کیا یہ نہیں کہ وہ عقیدتاً کافر ہو گیا۔ اُس نے ایسا کام کیا جیسا کافر کرتے ہیں۔ اس کا مطلب کہ بندہ مومن کسی کام میں جب حکم شریعت کو چھوڑتا ہے اور اُس کے خلاف کام کرتا ہے۔ وہ لین دین ہو۔ سود لینا شروع کر دیتا ہے' نماز ترک کر دیتا ہے' جھوٹ بولتا ہے' دھوکہ دیتا ہے' ڈاکے مارتا ہے' لوگوں کو بلاوجہ قتل کرتا پھرتا ہے' دہشت گردی کرتا ہے' تو یہ سب وہ کام ہیں کہ مسلمان ہونے کے باوجود وہ کام کافروں جیسے کرتا ہے اگر کافر مومن جیسا کام کرے تو اُسے دنیوی برکات حاصل ہوتی ہیں تو مومن کافر جیسا کام کرے تو اُس پر بھی شیطان مسلط ہو گا۔ یعنی جب مومن کا کردار عملی طور پر کفر میں ڈھلتا

ہے۔ عقیدے کے اعتبار سے وہ مومن ہے کلمہ توحید پڑھتا ہے' اللہ پر ایمان ہے' نبی علیہ السلام کو مانتا ہے' ضروریات دین کو مانتا ہے' لیکن جب عمل کی باری آتی ہے تو کام ایسے کرتا ہے جیسے کافروں کے ہوتے ہیں تو پھر اُس پر بھی شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور اُسے مزید آگے لے جانے کے لئے اُس کے ساتھ کوشش کرتا رہتا ہے۔

ہمارا تو یہ قومی مسئلہ ہے اور حصول پاکستان سے لیکر آج تک یہ جو شور مچا ہوا ہے کہ نفاذ اسلام ہو' نفاذ اسلام ہو' اور اب تو اس کو اس قدر الجھا دیا گیا ہے کہ ایک عام آدمی یہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ کوئی لوہے کا پنجرہ بنا کر ہمارے اوپر ڈال دیں گے۔ جس میں ہم حرکت بھی نہیں کر سکیں گے۔ اس لئے نفاذ اسلام سے بچنا چاہئے۔ اس کا مفہوم صرف اتنا ہے کہ جس بندے کو اللہ پر ایمان ہے نبی ﷺ پر ایمان ہے اللہ کی کتاب پر ایمان ویقین ہے وہ اپنا کردار بھی کتاب اور سنت کے مطابق ڈھال لے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کھانا نہ کھائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شادی نہ کرے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ گھر نہ بنائے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اچھی گاڑی نہ رکھے بلکہ اسلام تو صاف ستھرا اور آسودہ رہنے کا حکم دیتا ہے بلکہ واما بنعمۃ ربک فحدث.

مفسرین اس آیت کریم کی تشریح میں یہ لکھتے ہیں کہ آدمی کو جتنی اُس کی حیثیت ہو ویسا لباس اور ویسا چال ڈھال اور ویسا ظاہر بھی آنا چاہئے کہ یہ بھی شکر نعمت ہے۔ کہ اللہ نے اُسے دولت دے رکھی ہے اور وہ پھٹے کپڑے پہن کے پھر رہا ہے تو یہ ناشکری ہے۔ اُس کے لباس' اُس کی بول چال' اُس کی سواری' اُس کے گھر' سے بھی نظر آنا چاہئے جتنا ہے۔ ہماری مصیبت یہ ہے کہ جب ہم نظر آنا چاہتے ہیں تو اگر ہماری حیثیت چار آنے کی ہے تو ہم چودہ آنے نظر آتے ہیں۔ کوشش کرتے ہیں اپنی حیثیت سے بڑھ کر نظر آئیں۔ اگر کنجوسی پہ آتے ہیں تو جو اصل حقیقت ہے وہ بھی چھپا جاتے ہیں۔ اُدھر بھی اسلام سے نکل جاتے ہیں اِدھر بھی اسلام

سے نکل جاتے ہیں۔ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ جیسی اللہ نے کسی کو حیثیت دی ہے ویسی گاڑی رکھے۔ ویسا گھر بنائے' ویسا لباس پہنے' تو یہ بھی ایک شکر کرنے کا طریقہ ہے کہ مجھ پر اللہ کا یہ احسان ہے اُس میں تکبر اور بڑائی نہ کرے بلکہ اللہ کا شکر ادا کرے۔ معاملات میں' لین دین میں' اب کیسی عجیب بات ہے کہ بڑے اچھے نیک لوگ پاکستان میں ایسے بھی ہیں جو ہر سال حج کرتے ہیں' عمرے کرتے ہیں' اگر وہ کاروباری ہیں تو جب وہ اپنی دکان پہ یا کاروبار پہ بیٹھتے ہیں تو اُن پر اعتبار کرنے کو جی نہیں چاہتا ۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کوئی ایک تاجر پاکستان کا آپ بتا سکتے ہیں جس کے پاس چلے جائیں جو بتلائے گا وہی قیمت بھی صحیح ہو گی اور جو کہے گا وہ مال بھی ٹھیک ہو گا۔

مجھے دکانوں پہ جانے کا بہت کم اتفاق ہوتا ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے کہہ دیتا ہوں منگوا لیتا ہوں یہیں آ جاتی ہے۔ ایک دفعہ میں راولپنڈی میں تھا میرا خیال ہے پندرہ سولہ سال پہلے کی بات ہے تو اُس وقت نئی دکانیں بنی تھیں' پلازہ بنا تھا' اور اُس میں باڑے کا مال بکتا تھا۔ باہر کی غیر ملکی چیزیں ملتی تھیں' میرے پاس شاید گاڑی میں تھرموس خراب ہو گیا۔ مجھے تھرموس چاہئے تھا۔ تو میں گاڑی روک کر اندر چلا گیا دکاندار سے قیمت پوچھی اُس نے غالباً مجھے یاد نہیں ڈیڑھ سو یا ایک سو بیس یا اس کے قریب بتائی میں نے کہا بھئی مجھے جاپانی باہر کا چاہئے۔ اُس نے کہا جی یہ باہر کا ہے اسے دیکھ لو۔ تو میں نے کہا اسے پیک کر دو تو میں تمہیں پیسے دیتا ہوں۔ اُس نے کہا ٹھہریئے صاحب اُس نے وہ ڈبہ کھولا اُس میں سے تھرموس نکالا پھر تھرموس کو کھولا اُس میں سے پھر شیشے کی بوتل نکالی پھر اپنے اُس ایک دراز کو کھولا اُس میں سے ایک اور بوتل شیشے کی نکالی وہ والی رکھ کے وہ اُس میں ڈالی پھر اُس تھرموس کو بند کیا پھر ڈبہ بند کیا پھر مجھے دیا۔ میں نے کہا یہ کیا کرتے ہو؟ تو کہنے لگا جی ہوتا یہ ہے کہ جب ہم ایک سو بیس

اگر کافر مومن جیسا کام کرے تو اُسے دنیوی برکات حاصل ہوتی ہیں تو مومن کافر جیسا کام کرے تو اُس پر بھی شیطان مسلط ہو گا۔

روپے مانگتے ہیں تو گاہک جھگڑا کرنے لگتا ہے اور آخر ستر بہتر اسی پہ جا کے سودا ہوتا ہے۔ تو اتنے میں جو ہم جاپانی بوتل دے نہیں سکتے اس سے زیادہ کی تو بوتل بوتل ہوتی ہے۔ تو ہم یہ کرتے ہیں کہ جاپانی بوتل نکال کے رکھ لیتے ہیں اور پاکستانی ڈال دیتے ہیں وہ تیس روپے کی آتی ہے وہ اگر ستر بھی ہمیں دے جاتا ہے تو ہمارے پاس آدھے پیسے بچ جاتے ہیں۔ اتنے کا تو کور نہیں ہوتا تو آپ نے تو جھگڑا نہیں کیا آپ نے کہا بھئی پیسے لو اور مجھے دے دو تو مجھے بڑی حیا آئی کہ میں پاکستانی بوتل آپ کو دے دوں۔ میں نے وہ ولایتی ڈال دی ہے تو میں نے اللہ کا شکر کیا کہ چلو کچھ احساس تو اس میں باقی ہے یہ بھی غنیمت ہے کہ یہ مجھے وہی پکڑا دیتا میں نے کونسا کھول کے دیکھنی تھی یا مجھے کیا سمجھ تھی جب خراب ہوتی ٹوٹتی تو پتہ چلتا۔

تو حج کرنے کے باوجود، روزے رکھنے کے باوجود' صدقات زکوٰۃ دینے کے باوجود' جب کاروبار پہ ہم بیٹھتے ہیں تو کتنے لوگ ہیں جن پہ اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ جب کردار کافرانہ آ جاتا ہے تو شیطان مسلط ہو جاتا ہے۔ اور پھر وہ اُس بات کو آگے بڑھاتا ہے۔ تَؤُزُّهُم ازًّا ۝ پھر وہ اُسے انگیخت دیتا رہتا ہے کہ ٹکرا ہو اس طرح تو تیری بڑی آمدن ہو گی۔ تیرے پاس اتنا سرمایہ آ گیا اور اسی طرح سے کر اور وہ کرتا چلا جاتا ہے

نفاذ اسلام کا بڑا آسان سا مفہوم یہ ہے کہ اپنے کاروبار میں دیانت داری لاؤ۔ اپنے دفتری کاموں میں جس کا حق بنتا ہے اُسے اُس کا حق دو۔ رشوت اور سفارش چھوڑ دو۔ جب معاشرے میں ظاہراً حکومت بھی رشوت اور سفارش کو بُرا جانتی ہے اور رشوت کے خلاف نئے نئے محکمے بناتی رہتی ہے کہ نہیں ہونی چاہئے۔ جب حکومت بھی میرٹ کی بات کرتی ہے کہ میرٹ پہ کام ہونا چاہئے تو اگر میرٹ پہ ہو جائے اگر رشوت اور سفارش نکل جائے تو اسلام نافذ ہو گیا۔ چونکہ ہمارے ہاں کتنی عجیب بات ہے کہ ہماری ذاتی زندگی میں الحمدللہ اسلام نافذ ہے۔ اللہ کا یہ احسان ہے کہ نکاح

طلاق کے معاملوں میں پورے ملک میں مسلمانوں میں اسلام نافذ ہے اور کسی کو جرات نہیں ہوتی کہ غیر شرعی طریقے سے کوئی راستہ اپنائے۔ ہمارے ذاتی معاملات جو ہیں جو فرد سے متعلق ہیں۔ ہر بندہ یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اپنا کام اسلامی طریقے سے کرے۔ جب اُسے نظام حکومت سے واسطہ پڑتا ہے' اُسے چوکی پہ جانا پڑتا ہے' عدالت میں جانا پڑتا ہے۔ اُسے کسی دفتر جانا پڑتا ہے' تو وہ جا کے پھنس جاتا ہے وہاں اگر وہ رشوت نہ دے کوئی نہیں پوچھتا۔ سفارش نہ ہو کوئی نہیں پوچھتا۔ تو نفاذ اسلام کوئی عجیب بات نہیں ہے نفاذ اسلام بڑی سادہ سی بات ہے کہ جو معاملات حکومت اور عام آدمی کے درمیان ہیں اُن میں بھی دیانت شرافت اور نیک نیتی اور اعتدال آجائے تو میرے خیال میں اس طرح سے حکومت کے لئے بھی آسانیاں ہیں اور اللہ کی طرف سے برکات بھی ملیں گی۔ اور شیطان کے حملوں سے محفوظ بھی رہے۔ عام آدمی کے لئے بھی زندگی آسان ہو جائے اور شیطنت سے اُس کو پناہ ملے۔ اور اگر کردار غیر اسلامی رہا۔ معاملات حکومت اور عام آدمی کے درمیان غیر اسلامی رہے تو نتیجہ کیا ہوتا ہے کہ آج مساجد میں بھی دہشت گردی ہو رہی ہے۔ آج عبادت گاہوں میں بھی قتل عام ہو رہا ہے۔ آج راستہ چلتے بندے کو گولی ماردی جاتی ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ شیطان کی انگیخت ہے۔

تــو ذھُــم ازاً ٥ شیطان انہیں برانگیختہ کرتا رہتا ہے کہ اس طرح کر دو تم بڑے نامور ہو جاؤ گے۔ اس کا گھر جلا دو تمہاری بہت وحشت ہو گی۔ اتنے بندوں کو گولی مار دو لوگ تمہارے نام سے کانپیں گے۔ تمہارے فوٹو چھپیں گے اُس پر پانچ لاکھ انعام کا اشتہار ہو گا اور لوگ دہل جائیں گے۔ تمہاری دہشت سے یہ ساری باتیں کیا ہیں؟ شیطان کی انگیخت ہے.

تــو ذھُــم ازاً ۔ وہ انہیں برانگیختہ کرتا رہتا ہے۔ اور یہ اصول فطرت ہے اور کتنا خوبصورت اصول ہے۔ فطرت اپنے اصولوں کی پاسداری

> حج کرنے کے باوجود' روزے رکھنے کے باوجود' صدقات زکوۃ دینے کے باوجود' جب کاروبار پہ ہم بیٹھتے ہیں تو کتنے لوگ ہیں جن پہ اعتبار کیا جا سکتا ہے؟

خود کرتی ہے۔ قدرت باری جس نے اصول بنائے ہیں وہ اپنے اصولوں کی پاسداری خود کرتی ہے اور انہیں کوئی نہیں توڑ سکتا اور کتنی واضح بات ہے کہ اگر کافر کوئی عمل دنیا کے لئے' کوئی آخرت کا تو اُسے تصور نہیں ہے دنیا کے لئے وہ عمل اسلام کے مطابق کرتا ہے جن کافر ملکوں نے ویلفیئر سوسائٹی ڈیکلیئر کی ہیں۔ وہ اپنے فنڈز سے غریبوں کو' ناداروں کو' تعلیم کو' میڈیکیشن کو' اور ان چیزوں کو امداد کرتے ہیں اور پیسہ دیتے ہیں اور اُن پہ لگاتے ہیں تو اُس کا فائدہ بھی انہیں ہوتا ہے۔ اُس سے ان کے ملک میں عام آدمی کی زندگی میں سہولتیں در آتی ہیں۔ اب ایک آدمی کو جب پُر سہولت زندگی ملتی ہے تو وہ جان بوجھ کر اپنے لئے مصیبتیں پیدا کرنا پسند نہیں کرتا۔ پھر وہ کوشش کرتا ہے کہ ایسے کام نہ کرے جس سے اُسے جیل جانا پڑے۔ اور عجیب بات ہے کہ یورپ برطانیہ اور امریکہ وغیرہ نے' مغربی ممالک نے' جو یہ ویلفیئر کا سسٹم لیا انہیں آج بھی وہ The Umer`s Laws کہتے ہیں وہ قوانین جو عمر فاروقؓ نے بنی نوع انسان کی اور غریب آدمی کی بہتری کے لئے' رعیت کی بہتری کے لئے' بنائے تھے اور کیا ہم اتنے گئے گزرے ہیں کہ ہمارے پاس ہمیں ٹیکس لگانا پڑتا ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا دیا ہوا ٹیکس ہے۔ نظام زکوۃ ہے' عشر ہے' قربانی ہے' صدقات نافلہ ہیں' یہ ساری چیزیں ہیں۔

عہد رسالت مآب ﷺ میں ان کو تو مرکزیت حاصل تھی اور ساری چیزیں مرکز میں حضور ﷺ کی خدمت میں آتی ہیں اور مرکز اپنی صوابدید پر تقسیم کرتا تھا۔ غربا کو بھی اور ملکی ضروریات کو بھی۔ اگر آج بھی انہیں وہ مرکزیت دے دی جائے تو کھربوں روپے فنڈز جمع ہو جاتا ہے زکوۃ کا' عشر کا' صدقات کا' جس سے پورے ملک کے نادار اور غربا کی مدد کرنے کے علاوہ ملکی دفاع اور ملکی قومی ضروریات پر خرچ ہو سکتا ہے۔ مقروض زکوۃ کا مستحق ہے۔ اور یہ تو سارا ملک مقروض ہے اور سود خوروں کے نرغے میں ہے۔ پورے ملک

کا بجٹ جو ہے اُس پہ وہ خرچ کی جاسکتی ہے۔ اس کو قرضے سے اور سود خواروں کے پنجے سے نکالنے کے لئے کیوں خرچ نہیں کی جاسکتی؟

تو نفاذ اسلام کا مطلب کوئی یہ نہیں ہے کہ لوگوں کے گرد کوئی دیوار بنادی جائے یا لوگوں کو کسی پنجرے میں بند کر دیا جائے بلکہ اسلام سے زندگی میں صاف ستھرا پاکیزہ ماحول اور اُس بھی جنت کا نمونہ بن جائے۔ اُس کی آخرت بھی جنت ہو۔ اب اس کی غلط تشریحیں اور تاویلیں کر کے ہم نے عام آدمی تو کیا بڑے بڑے جاندار حکمرانوں کو اسلام کے نام سے ڈرا دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں یہ نفاذ اسلام پتہ نہیں کیا مصیبت بن جائے گی۔ ہم اس سے بچ جائیں پھر اگلی حکومت آئے گی تو دیکھا جائے گا۔ ہمیں غلط تعبیریں ہیں۔ اُس نے ایک ایسا نقشہ بنا دیا ہے کہ شاید نفاذ اسلام تو کوئی بڑی مصیبت ہے اور ایسا کوئی لوہے کا پنجرہ ہے کہ ہر آدمی پر وہ کس دیا جائے گا اور وہ اُس میں زندہ کیسے رہے گا؟

اور آخری بات جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر کافر بھی اسلامی طریقے پر عمل کرے تو اُسے فائدہ ہوتا ہے۔ حکومت نہ کرے، ملک نہ کرے، قوم نہ کرے، فرد خود تو اپنی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھال لے تو اُس پر تو اللہ کی رحمت ہوتی رہے گی۔ جو شخص بھی اور اُس پر اللہ کا احسان ہے کہ وہ مسلمان بھی ہے اگر وہ یہ طے کر لے کہ میں اپنی زندگی کے امور اللہ کے حکم اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق بسر کرنے کی کوشش کروں گا۔ پوری دیانت سے

بڑی سادہ سی بات ہے کہ جو معاملات حکومت اور عام آدمی کے درمیان ہیں اُن میں بھی دیانت، شرافت، نیک نیتی اور اعتدال آجائے۔

کے ساتھ صاف ستھری سہولتیں میسر آتی ہیں۔ اسلام ہے کہ دنیا میں بھی بندہ زندگی کو انجوائے کرے۔ زندگی جیئے زندگی کو گھسیٹ گھسیٹ کر گزارے نہیں، یہ جو عام محاورہ بن گیا ہے کہ آپ کسی دیہاتی سے بھی پوچھیں کیا کر رہے ہو؟ ٹائم پاس کر رہا ہوں۔ یہ ٹائم پاس اسلام نہیں ہے اسلام ہے کہ جو لمحہ اُسے میسر ہو اُس سے وہ دنیوی بھی اور اُخروی بھی بھر پور فائدہ اٹھائے۔ اُس کی زندگی میں لذت بھی ہو، کھانے میں شرینی بھی ہو، لباس میں عزت بھی ہو، میل جول اور ملاقات میں عزت ہو، وقار اور احترام بھی ہو اور اُس کے ساتھ ساتھ اللہ اللہ بھی ہو۔ اللہ کی یاد بھی ہو اور دین داری بھی ہو اور اُس کی دنیا

اس سے بچنا چاہئے اس لئے کہ اس کی جو تعبیر و تشریح کرتے ہیں وہ علامہ مرحوم نے کہا تھا۔

زمن برصوفی وملاں سلامے کہ پیغام خدادادند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت خدا و جبرائیل و مصطفٰے را

میں صوفی اور مولوی کو سلام کرتا ہوں کہ انہوں نے اللہ کا پیغام مجھ تک پہنچایا۔ اللہ کا قرآن مجھ تک پہنچایا۔ یہ ان کا بہت بڑا احسان ہے۔

لیکن جب انہوں نے اپنی طرف سے اس کی تشریح اور تاویل کی۔ تو اللہ بھی حیران ہے اور لانے والا فرشتہ بھی حیران ہے اور اللہ کا رسول ﷺ بھی حیران ہے کہ ہم نے کیا حکم دیا تھا کہ مولانا اُس کا کیا سے کیا بنائے جا رہے ہیں؟

تو یہ جو ہماری غلط تاویل اور تشریح ہے۔

یہ فیصلہ کر لے تو اللہ اُس کی مدد کرتا ہے۔ اُسے کرنے میں آسانی بھی ہوتی ہے اور دنیا میں وہ جنتیوں کی زندگی جیتا ہے۔ اُسے کسی قسم کا کوئی دکھ، کوئی غم، کوئی فریب، کوئی شے اُسے ستاتی نہیں۔ تو کم از کم اللہ کریم ہمیں توفیق دے ہم اپنی ذاتی زندگیوں کو تو اسلام کے مطابق ڈھال لیں۔

اللہ اس ملک کو ہمیشہ قائم رکھے اور حکمرانوں کو بھی توفیق دے کہ وہ اسلام کو سمجھیں اس سے خود بھی فائدہ اٹھائیں ملک بھی مستفید ہو اور سارا عالم اُس کی برکات سے مستفید ہو۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اللہ کا بندہ اور علم لدنی

تو یہ علم لُدنی یعنی جو علم بغیر کسی سے پڑھے' بغیر کسی سے سیکھے' بغیر مطالعہ کے منجانب اللہ بندہ مومن کے دل میں اتارتا ہے۔ القا ہوتا ہے اور اُس میں آجاتا ہے اور یہ اُس کی اپنی عطا ہے جسے چاہے عطا کر دے۔ لیکن بنیادی شرط یہی ہے جو قرآن نے پہلے بتائی کہ بندہ اس کا ہو جائے۔

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ' ضلع چکوال 04-02-06

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فوجدا عبداً من عبادنا اتینہٗ رحمتہً من عندنا وعلمنٰہ ُمن لدنا علماo

سورۃ کہف پندرہویں پارے کے آخری رکوع میں یہ سورۃ ہے اور ذکر چل رہا ہے حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا۔

بعض ارواح اہل اللہ کی جو بہت ہی اعلیٰ مقام کی حامل ہوتی ہیں۔ دنیوی نظام بھی کسی نہ کسی طور پر ان کے وجود سے وابستہ ہوتا ہے اور یہ ضروری بھی نہیں کہ خود انہیں اس بات کی خبر بھی ہو۔ جیسے دنیا کا بہت سا نظام سورج کے ساتھ وابستہ ہے اُس کے طلوع وغروب' اُس کی گرمی اور اُس کی کمی وبیشی کے ساتھ وابستہ ہے۔ چاند اور دوسرے سیاروں سے وابستہ ہے۔ اُن کے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اُس طرح ان کا وجود بھی اہل اللہ کا وجود بھی موثر ہوتا ہے اور بہت سی چیزوں میں تاثیر پیدا کرتا ہے۔ پھر بعض لوگ ایسے ہیں جو دنیا سے گزر جاتے ہیں اور بعد وفات اُن کی ارواح ملائکہ کی طرح کام کرتی ہیں۔ اللہ کریم انہیں ملائکہ کی طرح بعض امور پہ لگا دیتے ہیں۔ جو وہ سرانجام دیتی ہیں۔ اُن میں سے ایک ہستی حضرت خضر ہیں جن کے بارے کوئی یقیناً نہیں کہہ سکتا کہ وہ ولی تھے یا نبی تھے لیکن زیادہ محققانہ بات جو ہے وہ یہ ہے کہ وہ نبی اسرائیل کے ایک ولی اللہ تھے جو اللہ کا کام اُن پر تھا اُن کی جو خصوصیت تھی وہ یہ تھی جو یہاں بیان ہوئی فوجدا عبداً من عبادنا۔ میرے بندوں میں سے انہوں نے ایک بندے کو پایا۔

جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں اُن سے پوچھو اگر تم کچھ نہیں جانتے۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر

عبد اور شے ہے اور عبدہ اور شے ہے۔ اللہ کا بندہ ہونا اور بات ہے تو یہاں خود رب کریم انہیں اپنا بندہ اپنے بندوں میں شامل کر کے کہہ رہے ہیں۔ کہ میرے بندوں میں سے۔

خالق سب کا ایک ہے خالق کا کوئی ایک
۔ لاکھوں میں تو کوئی نہیں اربوں میں جا دیکھ

کئی ارب بندوں میں سے کوئی ایک بندہ اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ یوں تو اللہ سب کا خالق ہے تو جو اُس کے بندے ہیں اور پھر جنہیں وہ خود فرماتا ہے میرے بندے۔ فرمایا اُن میں سے ایک بندے سے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اور اُس بندے کی خصوصیت کیا تھی؟

اتینٰہ رحمتہ من عندنا. ہم نے اُس پر بے شمار رحمت کی تھی اور وہ کیا تھی؟ وعلمنٰہ من لدنا علماً o ہم نے اُسے اپنی طرف سے علم عطا کر دیا۔ علم ایک ایسی چیز ہے جس میں توارث ہے۔ جو کسی سے حاصل کیا جاتا ہے' تجربات سے حاصل ہوتا ہے' کسی کے سکھانے سے حاصل ہوتا ہے' کسی کے پڑھانے سے حاصل ہوتا ہے' زندگی خود' ایک زمانہ خود' ایک

بہت بڑا استاد ہے۔ بہت سی چیزیں خود زمانہ اور وقت سکھا دیتا ہے۔ بہت سی باتیں دنیا کے حادثات و واقعات سکھا دیتی ہیں اور بہت سی باتیں اُن لوگوں سے سیکھنا پڑتی ہیں جو جانتے ہوتے ہیں۔

فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون. جو اللہ کو یاد رکھنے والے ہیں اُن سے پوچھو اگر تم کچھ نہیں جانتے۔ وہ جانتے ہوتے ہیں عالم جو ہیں علماء سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ اُس کے مختلف ذرائع ہیں زبان سے بول کر علم منتقل کیا جاتا ہے۔ کتاب لکھ کر' پڑھنے والے کے لئے علم منتقل کیا جاتا ہے۔ کسی عالم کے پاس بیٹھے رہیں' آپ اٹھتے بیٹھتے رہیں' تو آدمی بے شمار باتیں سیکھ جاتا ہے۔ اُس بزم میں جو باتیں ہوتی ہیں سنتے سناتے وہ سیکھ جاتا ہے۔ علم کا ایک ذریعہ جس کا صرف قرآن کریم نے ذکر فرمایا اور جس کا ذکر دنیا میں کسی مذہب میں' کسی تاریخ میں' کسی کتاب میں' نہیں ملتا وہ یہ ہے فرمایا وعلمنٰہ من لدنا علماً ہم نے اُسے اپنی طرف سے علم دے دیا اسے علم لدنی کہتے ہیں۔ ایسا علم جس میں کوئی کتاب درمیان میں نہیں ہے۔ جس میں کوئی استاد ضروری نہیں ہے۔ جس میں کسی سے سیکھنا ضروری نہیں ہے۔ جس میں کسی تجربے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ براہ راست اللہ کی طرف سے بندے کے دل پہ القا ہو جاتا ہے اور یہ خاصہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا ہے۔ اللہ کے نبی کسی کے شاگرد نہیں ہوتے' کسی مدرسے میں نہیں جاتے' کسی سے سیکھتے نہیں ہیں بلکہ تمام علوم من جانب اللہ اُن کے قلوب میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔ وہ ایسا قادر ہے کہ یوں تو ہر چیز کو علم دیتا ہے۔ آپ سمندری جانور کے بچے کو دیکھیں تو پیدا ہوتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے۔ تیرنا سیکھتا تو وہ کسی سے نہیں۔ قدرت اُسے عطا کر دیتی ہے تیرنے کا علم۔ اب جنگلی جانوروں کے بچے دیکھیں جنگل میں پیدا ہوتے ہیں۔ پیدا ہوتے ہی کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر

ایسا علم جس میں کوئی کتاب کوئی اُستاد ضروری نہیں، تجربے کی ضرورت نہیں بلکہ براہ راست اللہ کی طرف سے بندے کے دل میں القا ہو جاتا ہے

وہ ماں کا دودھ تلاش کر لیتے ہیں یہ ساری باتیں انہیں کون بتاتا ہے؟

میں ایک دن وائلڈ لائف کی سیریز دیکھ رہا تھا اُس میں وہ دکھا رہے تھے کہ شتر مرغ کا بچہ انڈے سے نکلتا ہے۔ ابھی اُس کی عمر دو منٹ ہے دو منٹ ہوئے ہیں اُسے انڈے سے نکلے ہوئے تو دور سے ایک درندہ گزرتا ہے تو وہ چھپ جاتا ہے۔ اور اُس پہ پھر یہ تبصرہ کر رہے تھے کہ فطرت کیا کیا سکھاتی ہے؟ کہ اُس کی عمر دو منٹ ہے لیکن اُسے پتہ ہے کہ یہ جانور خطرناک ہے۔ یہ خود کو چھپا رہا ہے۔ تو بے شمار مخلوق کو اُن کی ضروریات کا علم اللہ کریم وہبی طور پر عطا فرماتے ہیں۔ ایک مکھی' ایک مچھر' ایک ایسے علوم سے واقف ہیں جن سے عام انسان نہیں اور شہد کی مکھی کو کس نے سکھایا ہے کہ اُس نے کون سے پھول سے رس کس طرح سے لینا ہے اُسے شہد کس طرح بنانا ہے۔ خالی اُس کا چھتہ بنا ہوا آپ دیکھ لیں کہ لاکھوں خانے جو ہیں اُن کا سائز ایک ہوتا ہے۔ اُن کے سارے ضلع ایک جیسے ہوتے ہیں۔ آٹھ خانے ہیں وہ ان کے اور لاکھوں جو خانے ہیں اُن سب کے ضلع گولائی اور ان کی گہرائی ایسی ہے۔ جیسے کسی نے پیمانوں سے ناپ ناپ کر سنٹی میٹر رکھ کر بنائی ہے۔ اُس کو کون سکھاتا ہے۔ ایک مچھر انسان کو تلاش کرتے ہوئے آتا ہے۔ انسان جو سانس لے رہا ہوتا ہے، دور سے اُسے پتہ چلا جاتا ہے کہ وہاں انسان ہے۔ جو اُس کی سمیل' جو اُس کی خوشبو' یا اُس کی ایک طرح کی بو جاری ہوتی ہے اُس میں بدن پر آ کر یوں ہی نہیں آدمی کو ڈستا بلکہ اُسے باریک سے باریک رگیں اور وینز جو ہیں اُسے نظر آ جاتی ہیں۔ یہ یہاں رگ ہے وہیں وہ ڈنگ مارتا ہے۔ جہاں سے خون لیتا ہے۔ ہاتھ پر مارے' پاؤں پر مارے' کان پر کاٹ لے' لیکن مچھر ڈنگ اُس وینز میں چھوٹی سی رگ میں لگاتا ہے جس سے خون نکلتا ہے۔ یہ تو بڑا ایک میڈیکل کی بات ہے اور میں نے ڈاکٹروں کو دیکھا ہے۔ ہسپتال میں کام کرنے والوں کو کہ

خون نکالنا پڑے تو وہ چھ چھ دفعہ بازو کو سوئیاں چھبوتے ہیں اور انہیں رگ نہیں ملتی یہ مچھر کو کس نے سکھا دیا؟ خالق نے جس نے خون کو اُس کی غذا اور ضرورت بنایا۔ اُس نے اُسے یہ پتہ دے دیا کہ یہاں رگ ہے۔ اگر انسان کو کاٹنے والے ان چھوٹے چھوٹے جانوروں میں ایسے جانور ہیں کہ جہاں سے وہ خون لینا چاہتے ہیں پہلے اُن کے منہ سے ایک لعاب سا نکلتا ہے اور ادمی کے بدن پہ لگا دیتے ہیں جیسے ڈاکٹر دوائی لگا کر جگہ کو بے حس کر دیتا ہے۔ انسان کے پاس یہ علم بہت بعد میں آیا۔ آپ کو ابھی بھی وہ تصاویر ملتی ہیں جس میں آپریشن کرنے کے لئے ڈنڈہ مار کر بے ہوش کرتے تھے۔ پھر بے ہوش کرنے کے لئے دوائی بنی اور آج انسان اُس جگہ پہنچا ہے کہ وہ بے ہوش کیئے بغیر ایک مخصوص حصے کو جس میں آپریشن کرنا چاہتا ہے اُسے بے حس کر دے۔ وہاں دوائی لگا کر یا ٹیکہ لگا کر پھر آپریشن کرلے۔ لیکن چیونٹی جتنی وہ چیز ہے اور اُس کے پاس وہ دوائی پہلے سے ہے پیدائش سے ہے وہ جس رگ سے جہاں سے کاٹنا چاہتی ہے پہلے وہ لگا دیتی ہے پھر اپنا وہاں سے خون پی لیتی ہے۔ بندے کو پتہ تک نہیں چلتا سو رہا تھا۔ اٹھتا ہے تو اُسے پتہ ہوتا ہے کہ یہاں کچھ ہوا ہے تو یہ سارے علوم ہیں جو اُن کی اپنی زندگی کے لئے ضروری تھے اور اللہ نے انہیں عطا کر دیئے۔

تو پھر جن مقدس ہستیوں کو جیسے فرشتوں کو جن کاموں پہ لگا دیا اب ضروری نہیں کہ سارے فرشتے ساری باتیں جانتے ہوں۔ جس طرح سارے جانور ساری باتیں نہیں جانتے اپنی ضروریات کی بات جانتے ہیں اسی طرح انسان اور ملائکہ بھی اپنی ضرورت کا علم رکھتے ہیں جو اُن کے لئے زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے اور انہیں عطا کیا جاتا ہے پھر انسان پڑھ کر سیکھ کر سن کر اپنے علم میں اضافہ کرتا ہے اور مختلف شعبوں کا ماہر بن جاتا ہے جیسے کوئی ڈاکٹر بن جاتا ہے یا کوئی سائنٹسٹ بن جاتا ہے یا کوئی

> انسانوں میں پھر کچھ انسان ایسے ہیں جو اُس کی مرضیات میں اس طرح فنا ہو جاتے ہیں کہ جنہیں پھر وہ کہتا ہے یہ بندے خود نہیں ہیں یہ میرے بندے ہیں۔

معلم بن جاتا ہے کوئی فقیہہ بن جاتا ہے مفسر بن جاتا ہے محدث بن جاتا ہے یہ وہ خوبیاں ہیں جو انسان حاصل کرتا ہے سیکھتا ہے کسی مدرسے سے کسی استاد سے کسی جاننے والے سے سُن کر پڑھ کر دیکھ کر وہ یہ چیزیں حاصل کرتا ہے۔ انسانوں میں پھر کچھ انسان ایسے ہیں جو اُس کی مرضیات میں اس طرح فنا ہو جاتے ہیں کہ جنہیں پھر وہ کہتا ہے یہ بندے خود نہیں ہیں یہ میرے بندے ہیں۔ جو میں چاہتا ہوں وہ کرتے ہیں جو مجھے پسند ہے وہ کرتے ہیں۔

عبداً من عبادنا o ایک بندہ جو میرے بندوں میں سے تھا اور جس پر میری خاص رحمت تھی اور وہ یہ تھی وعلمنٰہُ من لدنا علماً o میں نے اُسے اپنی طرف سے علم عطا کر دیا۔ اُسے نہ کتاب کی ضرورت رہی نہ اُسے استاد کی ضرورت رہی نہ اُسے تجربے کی ضرورت رہی بلکہ اُس کے دل کو اللہ کریم نے اپنی طرف سے علوم سے بھر دیا۔ اور یہ وہ علم ہوتا ہے جو اُس کی اپنی ذات کے لئے نہیں ہوتا وہ علم ہوتا ہے جو کائنات کے لئے اللہ کی مخلوق کے لئے اور دوسروں کے لئے اُسے عطا کیا جاتا ہے اور ایسے بندے بہت کم ہوتے ہیں بہت کم کہ جنہیں کتاب کی ضرورت نہ ہو جنہیں استاد کی ضرورت نہ ہو کسی سے پڑھنے پڑھانے کی ضرورت نہ ہو لیکن جب آپ سوال کریں جو بات آپ پوچھیں وہ اُن کے علم میں ہو۔ وہ علم اُن کے پاس کہاں سے آیا؟ کیسے کہاں سے سیکھا؟ انہوں نے۔ وعلمنٰہُ من لدنا علماًo

اب موسیٰ علیہ السلام اللہ کے اولوالعزم رسول ہیں اور حضرت خضر ایک ولی اللہ ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول کو جو علم عطا کیا جاتا ہے وہ بہت وسیع ہوتا ہے لیکن موسیٰ علیہ السلام کے پاس جو علم تھا وہ علم رسالت کا تھا۔ جو اُن کی نبوت اور لوگوں کی اصلاح کے لئے جس جس چیز کی ضرورت تھی وہ اُن کے پاس تھا۔ خضر علیہ السلام کی جو عطا کیا گیا جن امور میں اُن کی ڈیوٹی لگ گئی اُن کی ذمہ داری لگا دی گئی جو فرائض اُن کے ذمے لگائے گئے اُن کی

معلومات انہیں عطا کر دی گئیں۔ اب اُن سے موسیٰ علیہ السلام کا کیا تعلق۔ تو موسیٰ علیہ السلام اُن سے فرمانے لگے۔

قال لہٗ موسیٰ هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشداً o اللہ نے تیرے علم کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ دن میں تیرے ساتھ رہوں اور وہ باتیں میں بھی سیکھوں، میں بھی دیکھوں۔ تو وہ فرمانے لگے۔ انک لن تستطیع معی صبرا o آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے آپ یہ باتیں برداشت نہیں کریں گے۔ کیوں نہیں کریں گے؟ فرمایا وکیف تصبر علی مالم تحط بہ خبراً o اُس بات پہ آپ کیسے صبر کریں گے جس کی آپ کو خبر ہی نہیں ہوگی۔ آپ علیہ السلام رسول ہیں۔ اللہ کے اولوالعزم رسول ہیں اور آپ علیہ السلام کا علم رسالت بہت وسیع ہے لیکن اپنی ڈیوٹی سے متعلق ہے۔ جو کام میرے ذمے ہے اُس کی معلومات میرے پاس ہیں۔ اُن کی خبر آپ علیہ السلام کو نہیں ہے۔ آپ علیہ السلام اُس بات کو دیکھیں گے اُس علم شرعی کی نظر سے، جو آپ علیہ السلام کے پاس رسالت ونبوت کا علم ہے۔ میں جو کام کروں گا میں اُس حکم کے مطابق کروں گا۔ جو اللہ میرے قلب پہ القا کر دے گا۔ اب اُس میں اور آپ علیہ السلام کے علم میں تو ملاپ نہیں ہوگا۔ پھر آپ میرے ساتھ کیسے صبر کر سکیں گے؟ تو انہوں نے فرمایا نہیں، میں صبر کر لوں گا۔ آپ علیہ السلام کی بات نہیں ٹوکوں گا۔ آپ علیہ السلام مجھے ساتھ رکھیں انہوں نے شرط عائد کر دی کہ ساتھ تو میں رکھتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ آپ مجھ پہ سوال نہیں کریں گے۔ جو میں کرتا ہوں آپ دیکھتے جائیں۔ ہاں میں چاہوں تو آپ علیہ السلام کو بتا دوں۔ اب اکٹھے چلے تو ایک کشتی میں سوار ہوئے۔ خضر علیہ السلام کے پاس تو قدرت کی طاقت تھی، اُدھر موسیٰ علیہ السلام بھی دیکھ رہے تھے ورنہ وہ تو روح تھے دوسروں کو تو نظر نہیں

یہ جو کچھ بھی ہوا جو تمہیں بڑا تکلیف دہ نظر آیا۔ یہ سارا تیرے اللہ کی رحمت بانٹنے کا انداز ہے

آ رہے تھے تو انہوں نے ایک جگہ اس طرح انگلی سے لکیر ڈالی اور وہاں سے کشتی میں لریک آ گیا۔ کریک گئی لکڑ پھٹ گئی۔ موسیٰ علیہ السلام بے قرار ہو گئے۔ انہوں نے کہا یار یہ کیا تماشا ہے؟ بیچ دریا کے کشتی تیر رہی ہے اور انہوں نے ہمیں سوار بھی کیا۔ ہماری عزت بھی کی اور بھی بہت سی لوگ سوار ہیں تم نے اُسے چیر دیا تو یہ کیا کیا؟ خضر علیہ السلام نے عرض کی کہ حضرت میں نے عرض کیا تھا کہ آپ علیہ السلام میری باتیں برداشت نہیں کریں گے۔ تو پہلے شرط تھی کہ آپ علیہ السلام سوال نہیں کریں گے آپ علیہ السلام نے سوال کیوں کیا؟ فرمایا یار میں نہیں پوچھتا چلو چلتے ہیں۔ دریا سے پار اترے ایک آبادی سے گزرے کوئی بچہ کھیل رہا تھا۔ انہوں نے اُسے قتل کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بگڑ گئے انہوں نے کہا ایک معصوم بچے کو قتل کرنے میں کیا حکمت ہے؟ اسے کیا بازار دنیا والوں نے بھی دیکھا ہوگا کہ کھیلتا کھیلتا بچہ فوت ہو گیا لیکن اُس کی موت کا سبب اللہ نے انہیں بنا دیا انہوں نے پھر یاد کرایا کہ آپ علیہ السلام کا وعدہ تھا سوال نہیں کریں گے۔ آپ علیہ السلام پھر اپنے وعدے کی خلاف ورزی کر گئے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ ان سالتک عن شیءٍ بعدها فلا تصحبنی.

بھئی اس کے بعد اگر میں نے سوال کیا تو میں آپ علیہ السلام سے الگ ہو جاؤں گا۔ میں اب سوال نہیں کرتا۔ فانطلقا پھر چل پڑے۔ ایک آبادی میں پہنچے موسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگ رہی تھی، کوشش کی، کسی نے کھانا نہ دیا تو ایک مکان کی دیوار گرنے کے قریب تھی۔ خضر علیہ السلام نے اُس پہ ہاتھ پھیرا دیوار سلامت ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام ناراض ہوئے کہنے لگے اگر دیوار ہی بنانی تھی تو اس کی مزدوری لے لیتے۔ بھوک سے تو ہم نہ مرتے، کھانا خرید لیتے یہاں تو کسی نے کھانے کو نہیں دیا۔ آپ علیہ السلام نے اگر دیوار درست کرنی تھی تو لتخذت علیہ اجراً o اُس پہ مزدوری تو

لیتے۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ بھئی موسیٰ علیہ السلام اب میں اور آپ الگ ہوتے ہیں۔ آپ نے تین سوال کر دیئے اور ہر بار کہا نہیں پوچھوں گا اور آخری بار آپ علیہ السلام نے خود کہا کہ اگر اب میں نے سوال کیا تو میں آپ سے الگ ہو جاؤں گا۔ آپ علیہ السلام مجھ سے الگ ہو جائیں لیکن اب ان تینوں باتوں کا جواب میں آپ کو بتا دیتا ہوں۔

فرمایا جس کشتی کو میں نے داغدار کر دیا۔ دوسرے کنارے پر جو بادشاہ تھا جو کشتی کنارے پہ پہنچتی تھی وہ چھین رہا تھا۔ اُسے چاہیں تھیں اپنے فوجیوں کے لئے' اور یہ لوگ غریب تھے اور اُن کا اسی پہ روزگار تھا تو اللہ نے مجھے یہ بات بتا دی میں نے کشتی میں تھوڑا چھوٹا سا عیب ڈال دیا۔ اب ان سے بادشاہ نہیں چھینے گا۔ ان کا روزگار چلتا رہے گا۔ چونکہ وہ عیب دار کشتیاں نہیں لے رہا۔ واما الغلٰم. جو بچہ موت کی آغوش میں چلا گیا۔ فکان ابوٰہ مومنین. اُس کے والدین بہت اچھے ایماندار انسان ہیں اُس کی والدہ بھی اُس کا والد بھی۔ بہت نیک لوگ ہیں اور یہ بچہ جو تھا اس کے مزاج میں تھا۔ فخشینا ان یر ھقھما طغیانا و کفراo تو یہ تو بڑا باغی بدمعاش اور کافر ہوگا اُن کی نیکی اللہ نے قبول کر کے وہ بچہ واپس لے لیا۔ فاردنا ان یبدلھما ربھما خیراً منہ زکوٰۃً و اقرب رحماً o اب اس کے بدلے اللہ ایک نیک بچہ دے گا۔ جو بہت پارسا بھی ہوگا اور بہت غریب پرور بھی ہوگا۔ تم نے تو صرف بچے کو مرتے دیکھا باقی باتوں کا تو تمہیں پتہ نہیں ہے۔ واما الجدارُ. اور جو میں نے دیوار درست کر دی۔ فکان لغُلٰمین یتیمین فی المدینتہِ. اس گاؤں میں دو یتیم بچے رہتے ہیں یہ اُن کا گھر ہے۔ اُن کی دیوار بنانے والا یا گھر کو سنبھالنے والا اُن کا باپ دنیا سے گزر چکا ہے لیکن اُس نے اس دیوار کے نیچے اُن کیلئے کوئی پونجی رکھ دی تھی۔ کان تحتہ' کنز' لھما.

میرے بھائی! اس محدود وقت کو اللہ کے لئے وقف کر دو۔ وہ شکلیں اور مال نہیں دیکھتا بندے کا دل دیکھتا ہے

ایک خزانہ تھا جو اُن کے والد نے اس دیوار کے نیچے چھپا دیا تھا۔ اب اگر دیوار گر جاتی خزانہ سامنے آ جاتا یہ تو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں لوگ رشتہ دار لے کر کھا جاتے۔

وکان ابوھما صالحاً. اور اُن کا باپ نیک آدمی تھا۔ فاراد ربک ان یبلُغا اشدھُما ویستخرِ جا کنزَ ھُما۔ تو تیرے رب نے یہ بات پسند کی کہ جب وہ خود بڑے ہوں تو اپنا خزانہ نکالیں۔ لوگ اُن سے چھین نہ لیں۔ مجھے حکم دیا میں نے دیوار سیدھی کر دی۔ رحمتہً من ربک. یہ جو کچھ بھی ہوا جو تمہیں بڑا تکلیف دہ نظر آیا یہ سارا تیرے اللہ کی رحمت بانٹنے کا انداز ہے۔ یہ اُس کے مختلف انداز ہیں۔ جس طرح وہ بندوں پہ رحم فرماتا ہے۔ خود بندے کو سمجھ نہیں آتی وہ شکوہ کر رہا ہوتا ہے' شکایت کر رہا ہوتا ہے' میرا بیٹا فوت ہو گیا' میرا بھائی مارا گیا' میرا فلاں ہو گیا لیکن اگر وہ اللہ کا بندہ ہے تو اس میں بھی اُس پر اللہ کی رحمت ہو رہی ہوتی ہے۔ اور اللہ کی طرف سے اُس کا کام بہتر ہو رہا ہوتا ہے۔ اور پھر نیکی کا اثر کہاں تک جاتا ہے؟ کہ فرمایا کان ابوھما صالحاً. وہ تو ابھی معصوم بچے ہیں' کیا ہوں گے لیکن ان کا باپ۔ نیک تھا اُس نے جوان کے لئے محفوظ کیا اُس کی حفاظت اللہ اُس کی نیکی کی وجہ سے کر رہا ہے۔ یہ بڑے ہوں گے تو انہیں وہ دولت مل جائے گی۔ وما فعلتہ' عن امری. موسیٰ علیہ السلام میں نے اپنی پسند سے کچھ نہیں کیا۔ مجھے جو جو اللہ بتاتا گیا میں وہ کرتا گیا۔ جن باتوں پہ آپ علیہ السلام بھی صبر نہ کر سکے۔ اُن کا حل اور اُن کا جواب یہ ہے۔

تو یہ ہے علم لدنی یعنی جو علم بغیر کسی سے پڑھے' بغیر کسی سے سیکھے' بغیر مطالعہ کے' منجانب اللہ بندہ مومن کے دل میں اتارتا ہے۔ القا ہوتا ہے اور اُس میں آ جاتا ہے اور یہ اُس کی اپنی عطا ہے جسے چاہے عطا کر دے۔ لیکن بنیادی شرط یہی ہے جو قرآن نے پہلے بتائی۔ عبداً من عبادنا. بندہ اُس کا ہو جائے۔ جو بندہ اپنی پسند

چھوڑ دے۔ جو بندہ اپنی مرضی چھوڑ دے۔ جس بندے کا اپنا ارادہ ختم ہو جائے اور اُس کی زندگی میں ایک بات رہ جائے کہ کیا کرنا ہے؟ اس کے بارے اللہ کا حکم کیا ہے؟ اللہ کے نبی ﷺ کا حکم کیا ہے؟ جیسا حضور ﷺ فرمائیں ویسا کرنا ہے۔ جس چیز کے کھانے کی اجازت دیں وہ کھانی ہے۔ جس کی اجازت نہیں ہوگی وہ نہیں کھانی ہے۔ یہ بہت بڑا فاصلہ ہے ہمارے اور اُن بندوں کے درمیان۔

ہمارا معیار یہ ہے کہ لوگ کیا کہیں گے؟ ہم زندگی بھر اس ایک بات میں الجھے رہتے ہیں کہ یہ جو میں کام کر رہا ہوں لوگ کیا کہیں گے؟ اور وہ لوگ جو ہوتے ہیں کہ ہر کام کے بارے اُن کی سوچ یہ ہوتی ہے کہ اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ اس پہ کیا فرمائے گا؟ انہیں علم لدنی عطا ہوتا ہے' جو کتابوں کا، مطالعہ استادوں کا محتاج نہیں ہوتا بلکہ براہ راست اللہ کی طرف سے بندہ مومن کے قلب میں القا ہو جاتا ہے۔ اور پھر اُن سے ایسی ایسی باتوں کا جواب آپ سنتے ہیں جو دنیا کے دوسرے بڑے بڑے دانشور نہیں دے سکتے۔ تو اللہ کریم توفیق دے بندے کے پاس گنتی کے دن ہیں۔ اگر کوئی بڑی لمبی عمر بھی جیسے سو سال بھی جی لے۔ تو پہلے پندرہ بیس سال بچپن کی نذر ہو جاتے ہیں اور ستر پچھتر کے بعد بھی بیس پچیس سال بڑھاپے کی نذر ہو جاتے ہیں۔ تیس پچیس سال اُس سو سالہ آدمی کے پاس بھی ہوتے ہیں۔ جو وہ کام کرتا ہے مرضی سے۔ اُن تیس پچیس سالوں میں بھی آپ راتوں کو نکالیں۔ تیس کے پندرہ رہ گئے۔ پندرہ میں سے بھی اوقات خورد و نوش کھانے پینے کے نکالیں تو کام کرنے کا اُس کے پاس وقت کتنا رہ گیا۔ اُس وقت میں بھی وہ اللہ کی فرماں برداری نہیں کرتا تو پھر تف ہے اُس بندے پہ۔ وہ سو سال جیتا ہے اُس کے پاس تو اوقات کار دس سال بھی نہیں بنتے۔ تو سو سال اللہ کی نعمتیں استعمال کرتا ہے۔ دس سال اطاعت نہیں کرتا تو پھر اُس کی کیا زندگی ہے؟

میرے بھائی! اس محدود وقت کو اللہ کے لئے وقف کر دو۔ وہ شکلیں اور مال نہیں دیکھتا بندے کا دل دیکھتا ہے کہ وہ کتنا اُس کا اطاعت گزار بنا ہے۔ کتنا اُس کی اطاعت پہ آمادہ ہے۔ کتنا اُس کے نبی ﷺ کی اتباع پہ آمادہ ہے۔ اُس پہ انعامات نازل فرماتا رہتا ہے۔

علم لُدنی تو اُس کی بہت بڑی نعمت ہے لیکن کشتی والوں کو اگر علم لدنی نہیں دیا تو اُس کی رحمت اُن کا سہارا تو بنی۔ بظاہر بچہ قتل ہو گیا لیکن وہ کتنا کریم ہے کہ وہ چاہتا تھا کہ میں انہیں بدل کر اچھا دوں۔ شاید جب وہ بچہ ہوا ہوگا تب وہ اتنے نیک نہیں ہوں گے اُن کی کسی غلطی کا نتیجہ وہ بچہ ہوگا جو بڑا ہو کر انہیں خراب کرتا' خوار کرتا' رسوا کرتا' جب وہ تائب ہو گئے ہوں گے تو اللہ نے فرمایا کہ نہیں بھئی یہ اب بدل دو۔ انہیں نیک اور پارسا اور اچھا۔ اس کے کل پُرزے ہی ٹھیک نہیں ہیں۔ اس میں مشینری ہی صحیح نہیں ہے انہیں صحیح والا دو۔ اس کا مطلب ہے کہ اللہ کی رحمت کس قدر وسیع ہے اور ہم اُس سے کتنے ناواقف ہیں، ہم نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ جی میرے ساتھ ہم یہ شکوہ کرتے رہتے ہیں کہ بس جی میرا تو یہ بھی نقصان ہو گیا یہ بھی ہو گیا۔ یہ نہیں سوچتے کہ اگر واقعی میرے ساتھ کچھ بُرا ہوا ہے تو میں نے کچھ بُرا کیا ہوگا۔ اور اگر ہم اُسے بُرا سمجھتے ہیں تو پھر اپنے کردار کو صحیح کریں اور توبہ کریں۔ اللہ سے اُسی وقت عرض کریں کہ یا اللہ میں نے ظلم کیا ہے۔ تو تُو غفور الرحیم ہے مجھے معاف کر دے اور مجھے اپنی اطاعت کی توفیق عطا کر دے تو جو اطاعت کا رستہ اپنا لیتا ہے۔ وہ کبھی رحمت الٰہی سے محروم نہیں رہتا۔ آمین۔

> اللہ کی رحمت کس قدر وسیع ہے اور ہم اُس سے کتنے ناواقف ہیں ہم نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں بلکہ الٹا ہم شکوہ کرتے ہیں کہ میرا تو یہ بھی نقصان ہو گیا۔ اگر واقعی میرے ساتھ کچھ بُرا ہوا ہے تو میں نے کچھ بُرا کیا ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہوزری و شٹل لیس لومز کیلئے بہترین اور معیاری دھاگہ

اسلم برانڈ یارن

ASLAM BRAND YARN

16/PC
22/PC
24/PC
26/PC
30/PC

اسلم ٹیکسٹائل ملز

ہیڈ آفس پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد

667571
667572

گروہ بندیاں

ہماری گروہ بندیاں اس حد تک چلی گئی ہیں کہ اب کسی گروہ کا عبادت خانہ بھی محفوظ نہیں۔ جو اپنے آپ کو موا حد اور توحید پرست کہلواتے ہیں اُن کی مساجد میں بھی بم پھٹتے ہیں جو اپنے آپ ﷺ کو صوفی اور اہل اللہ کہلاتے ہیں اُن کی مساجد میں بھی گولی چلتی ہے جو اپنے آپ کو مومن کہلاتے ہیں اُن کے امام بارگاہوں میں بھی گولے برستے ہیں کون کرتا ہے؟ کوئی باہر سے آتا ہے عذاب الٰہی ہے کہ بے شمار گروہ بن گئے ہر گروہ اپنے آپ کو صرف حق پہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ دوسرے کو مٹانا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ دوسرے کو زندہ بھی نہ رہنے دیا جائے۔

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 24-11-03

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قل هوا القادر علی ان یبعث علیکم عذاباً من فوقکم اومن تحت ارجلکم اویلبسکم شیعاً ویذیق بعضکم باس بعض . اُنظُر کیف نصرّف الایٰت لعلهُم یفقهُون.

اللہ جل شانہ بہت کریم ہیں اور اُن کی رحمت ہر شے سے وسیع تر ہے۔ ان رحمتی وسعتہ کل شی ءٍ. ہر چیز سے اللہ کی رحمت وسیع تر ہے۔ کسی کی خطائیں، کسی کے گناہ اُس کی رحمت کو عاجز نہیں کر سکتے۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے دے۔ بخش دے، گناہوں کے بدلے نیکیاں عطا کر دے کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ لیکن اُس نے اپنی حکمت بالغہ سے جب انسان کو شعور بخشا، فیصلہ کرنے کی قوت بخشی، تو اُس کے فیصلوں پر فطری طور پر جو ردعمل ہوتا ہے اُس پر بھی روک نہیں لگائی اگر زہر میں موت کی خاصیت ہے تو کوئی شخص زہر کھا لیتا ہے تو وہ اُس کی زندگی ختم کر دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ پھر اُس سے پُرسش یہ ہوگی کہ جب تم ایک لحہ زندگی دے نہیں سکتے تو تم نے یہ برسوں کی زندگی کیوں چھینی۔ یہی جرم قتل کا ہے جو خودکشی کا ہے کہ جو زندگی دے نہیں سکتا۔ اُسے زندگی چھیننے کا کیا حق

ہے؟ چھینتا

کیوں ہے؟ تو ایک جو فطری نتیجہ ہے اصول فطرت کے ہیں اُن کے مطابق جو نتیجہ ہے وہ برآمد ہوتا ہے اور انسان کی جب خطائیں بڑھتی ہیں، گناہ بڑھتے ہیں، تو بالکل یہی حال ہوتا ہے کہ کسی کشتی میں اگر انسان ایک ایک کنکر بھی پھینکتا رہے تو ایک دن وہ اتنی بھر جاتی ہے کہ غرق ہو جاتی ہے۔ کوئی بڑا منوں وزنی یا ٹنوں وزنی پتھر نہ رکھے لیکن وہ چھوٹے چھوٹے کنکر بھی لے ڈوبتے ہیں۔ یہی مثال علمائے حق نے گناہ صغیرہ کی دی۔ صوفیا نے جو اس کی تشریح فرمائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ گناہ صغیرہ نہیں ہوتا۔ جسے صغیرہ اصطلاح شریعت میں کہا گیا ہے۔ اگرچہ اپنی سزا کے اعتبار سے وہ معمولی ہو لیکن گناہ ہونے کے اعتبار سے تو اُس اللہ کی نافرمانی ہے۔ تھوڑی کر لی یا بہت کر لی نافرمانی تو اُس ذات کی ہے۔ تو یہاں فرمایا کہ

هوا القادر علی ان یبعث علیکم عذاباً من فوقکم. وہ قادر ہے۔ وہ چاہے تو تم پر اوپر سے آسمانوں سے عذاب نازل کر دے۔ کتنی قومیں اس طرح تباہ ہوئیں۔ آسمانوں سے اُن پر پتھر برسے۔ آسمانوں سے آگ برسی۔ بادل گھر کر آئے اور لوگ قحط سالی کے مارے ہوئے تھے اور بڑے خوش ہوئے کہ خوب بارش ہوگی لیکن پانی کی بجائے بادلوں نے آگ برسائی۔ اومن تحت ارجلکم. اور وہ

قادر ہے کہ تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب پیدا کر دے۔ کوئی جانور پیدا کر دے۔ کوئی بیماری پیدا کر دے۔ جیسے نوح علیہ السلام کے زمانے میں زمین کو حکم دیا تھا پانی چھوڑ دے۔ کوئی بھی عذاب پیدا کر دے وہ قادر ہے اور ایک تیسری قسم کا عذاب یہاں بیان فرمایا۔

اویلبسکم شیعاً۔ وہ تم کو گروہوں میں بانٹ دے۔ ویذیق بعضکم باس بعض۔ اور پھر ایک گروہ کی طرف سے دوسرے کی تباہی کا سامان ہونے لگے اور ایک کی طرف سے دوسرے کو تکلیف پہنچے

حضور نبی کریم ﷺ رحمتہ اللعلمین ہیں اور آپ ﷺ کی خصوصیات میں یہ ہے کہ آپ ﷺ نے جب سے زمین پر قدم رنجہ فرمایا تو اجتماعی عذاب ختم کر دیئے گئے۔ بہت سے فضائل خود حدیث پاک میں ارشاد ہیں جن میں یہ بھی ہے کہ دنیا میں میری تشریف آوری سے پہلے قوموں پر اجتماعی عذاب آتے تھے۔ آسمانوں سے آتے تھے' زمین سے پیدا ہو جاتے تھے' زمین پھٹ جاتی تھی' قومیں غرق ہو جاتی تھیں' طوفان آتے تھے' قوموں کو بہا لے جاتے تھے ہوا کا طوفان آتا تھا قوم کی قوم تباہ ہو جاتی تھی' آسمان سے پتھر برستے تھے۔ یہ سارا عذاب اللہ کریم نے ختم کر دیا۔ مشرکین مکہ نے ایک بار تھک ہار کر کہا کہ ہم اس ایک ہستی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ساری کوششیں کر چکے ہیں کچھ بگڑتا بھی نہیں برداشت بھی نہیں کر سکتے۔ کہ ہمارا کئی صدیوں کا' باپ دادے کا' جو مذہب ہے اُسے باطل بتاتا ہے۔ ہمارے خداؤں کی تکذیب کرتا ہے۔ جنہیں مدتوں سے ہمارے آباؤ اجداد پوجتے چلے آ رہے ہیں اگر ان کی بات مانیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کئی پشتوں تک ہمارے جو آباؤ اجداد اس مذہب پہ قائم رہے وہ سارے جہنمی ہیں وہ سارے دوزخ میں گئے۔ یہ

آپ ﷺ نے جب زمین پر قدم رنجہ فرمایا تو اجتماعی عذاب ختم کر دیئے گئے

اعتراض فرعون نے بھی کیا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اُس سے بات کی کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور جو تم نے دین بنا رکھا ہے یہ کفر ہے' باطل ہے' تو اس نے بھی کہا تھا کہ فما بال القرون الاولیٰ پھر پہلے جو فوت ہو چکے ہیں' مر چکے ہیں' اُن کے بارے تمہاری کیا رائے ہے؟ لوگوں کو بھڑکانے اور لوگوں کو خلاف حق ایک بات پہ جمع کرنے کے لئے یہ اعتراض فرعون نے کیا تھا۔ جو پہلے مر گئے ہیں ان کے بارے پھر کیا وہ تو سارے جہنمی ہوں گے؟ کہ اللہ کا نبی کہے ہاں وہ دوزخی ہیں تو ہم لوگوں کو بھڑکائیں کہ دیکھو تمہارے باپ دادا کو دوزخی کہتا ہے۔ اس کی بات مانو گے۔ شیطان کے حربے بھی عجیب ہیں۔ جتنا کوئی اللہ کا مقہور بندہ ہو اور اُس کے غضب کا شکار ہو تو جو خرافات اُس کے منہ سے نکلتی ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ ہو بہو ویسی ہی بات دوسرے کے منہ سے نکلے تا کہ اُسی طرح کا غضب اُس پر بھی نازل ہو۔ وہی بات اُس نے مشرکین مکہ کے ذہن میں ڈال دی۔ وہی کہتے تھے کہ بھئی ہم اگر ان کی بات مان لیں تو اس کا مطلب ہے ہم یہ مان لیں گے کہ ہمارے آباؤ اجداد تو جہنمی ہیں' دوزخی ہیں' وہ کافر تھے' گمراہ تھے' نہیں ہم یہ نہیں مانیں گے تو تنگ آ کر ایک دفعہ وہ بیت اللہ میں جمع ہوئے اور بیت اللہ کے پردوں سے لٹک کر دعا کی کہ یا اللہ اگر تیرا یہ بندہ جو کہہ رہا ہے یہ سچا ہے اگر یہ برحق نبی ہے اور اس کی دعوت، واقعی حق ہے تو اس سے ہم کلام ہوتا ہے۔ تو اس پر وحی نازل فرماتا ہے اور یہ تیری بات کر رہا ہے تو ہم نہیں مان رہے تو پھر ہم پر پتھروں کی بارش کر ہمیں تباہ کر دے۔ یہ جھگڑا تو ختم ہو۔ یا تو ہم پر پتھر برسا، یا ہمیں کوئی اور دردناک عذاب جو چاہتا ہے کم از کم ہمیں ختم کر دے' پھر یہ ہو اور اس کے ماننے والے ہوں اور تیری عبادت کرتے رہیں جھگڑا تو ختم ہو۔ اللہ کریم نے اپنے نبی ﷺ کو یہ بات بذریعہ وحی بتائی

قرآن حکیم میں موجود ہے۔ کافر یہ دعا کرتے تھے لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ فرمایا۔

وما کان اللّٰہ لیُعذ بھُم وانت فیھم. تو بھی زمین پر اُن کے درمیان موجود ہو۔ بستا ہو اور میں ان پر عذاب نازل کروں یہ میری رحمت کو گوارا نہیں۔ اگر انہی کی بات پر ہوتا تو جو کچھ یہ مانگ رہے تھے میں انہیں دیتا اور انہیں سمجھ آ جاتی کہ ہم نے کیا مانگا ہے؟ کہ یہ بھی ایک گستاخی ہے اور بڑی بے باکی اور جرات ہے کہ وہ عذاب الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں لیکن ان کی یہ گستاخی بھی اس لئے درگزر کر رہا ہوں۔ عذاب تو انہیں ملے گا لیکن زمین پر اب کوئی اجتماعی عذاب میں نازل نہیں کروں گا۔ **وما کان اللّٰہ لیُعذ بھُم وانت فیھم.** جب تو زمین پر موجود ہے۔ میری رحمت کو حیا آتی ہے کہ اُس زمین پر عذاب نازل کروں جہاں تو جلوہ افروز ہے۔

تو یہ جو اجتماعی عذاب تھے کہ آسمان سے عذاب نازل ہوا مخلوق تباہ ہو گئی' زمین سے پھوٹ پڑا مخلوق تباہ ہو گئی۔ یہ ختم کر دیئے گئے بطفیل محمد رسول اللہ ﷺ۔ آپ ﷺ کی تشریف آوری کے اعزاز میں۔ جیسے فرمایا **وجعلی الارض مسجداً وطھوراً. او کما قال** رسول اللہ ﷺ کہ ساری زمین کو تیری خاطر پاک کرنے والی بھی، مسجد بھی قرار دے دیا گیا۔ یہ دونوں باتیں آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے نہیں تھیں۔ پہلی امتوں میں مٹی سے تیمم نہیں ہو سکتا تھا۔ پہلی امتوں میں ہر جگہ نماز نہیں ہوتی تھی۔ نماز کے لئے مسجد یا مخصوص جگہ یا ایک احاطہ بنایا جاتا تھا۔ اُس کے باہر نماز نہیں ہوتی تھی۔ لیکن آپ ﷺ کی برکات سے فرمایا! ساری زمین کو اللہ نے مسجد قرار دے دیا۔ جہاں وقت ہو جائے وہیں سجدہ کر لو۔ پانی نہیں ملتا تو مٹی سے تیمم کر لو۔

حدیث کا مفہوم ہے کہ پانی سے جلد پاک ہوتی ہے لیکن تیمم سے ہڈیاں اور ہڈیوں کا گودا تک پاک ہو جاتا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ پانی کے دھونے سے جلد پاک ہوتی ہے تیمم سے ہڈیاں اور ہڈیوں کا گودا تک پاک ہو جاتا ہے۔ تو یہ برکات نبوت ﷺ تھیں آقائے نامدار ﷺ کی برکات تھیں جن کی وجہ سے مخلوق الٰہی ان اجتماعی تباہیوں سے تو بچ گئی مگر ایک عذاب نے ہمیں آلیا وہ ہے۔ **اویلبسکم شیعاً.** اللہ تمہیں گروہوں میں بانٹ دے گا۔ قرآن حکیم میں متعدد جگہ لفظ شیعہ آیا ہے اور ہر جگہ شیعہ کا لغوی معنی عربی میں گروہ کا ہے۔ کوئی طائفہ گروہ جو کسی ایک بات پہ جمع ہو جاتا ہے شیعہ کہلاتا ہے لیکن یہ اصطلاح قرآن مجید میں کسی نیک گروہ کے بارے نہیں آئی۔ بُرائی پر جمع ہونے والے گروہوں کے بارے یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پہ جمع ہونے والے جو گروہ تھے اُن کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایسے ہی یہاں جن پر عذاب نازل ہوا انہیں گروہوں میں بانٹ دیا وہ متفرق گروہ ایک دوسرے کو ایذا دینے کا سبب' ایک دوسرے کی بُرائی سوچنے کا سبب' ایک دوسرے کی تباہی سوچنے کا سبب بن جاتے ہیں اُن کو کہا ہے **اویلبسکم شیعاً.** ترجمہ یہاں لکھا ہوا ہے۔ یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے۔ فرقہ تو کسی مذہبی عقیدے پہ ہوتا ہے۔ گروہ مفادات پہ ہوتا ہے اگرچہ اُس کو کسی مذہب کا رنگ دیا جائے۔ کسی عقیدے کا دیا جائے لیکن دراصل اُس کی بنیاد مفادات ذاتی پہ ہوتی ہے یا اگلے سے دشمنی پہ ہوتی ہے۔ تو فرمایا ایک عذاب یہ بھی ہے کہ تمہیں گروہوں میں بانٹ دے۔

ویذیق بعضکم باس بعض. اور ایک گروہ کی طرف سے دوسرے گروہ کو دُکھ پہنچے تکلیف پہنچے ایذا پہنچے

اُنظر کیف نصرف الایٰتِ لعلھُم یفقھُون. دیکھیے ہم کس طرح بات کو واضح کر کے بیان فرماتے ہیں۔ مثالیں دے کے بتاتے ہیں تا کہ لوگ بات کو سمجھ سکیں۔ اُس کا ادراک کر سکیں

اُس کے نفع ونقصان کو جان سکیں اُس سے بچ سکیں۔اب یہ عذاب جو ہے گروہ بندی کا اسے دیکھ لیں کتنا عام ہوا ہے۔یہی رمضان یا عید کے چاند کی بات دیکھ لیں۔اب اس پہ مقابلے شروع ہیں کیا یہ محض گروہ بندی نہیں ہے؟ بالکل صاف اور سادہ سا حکم ہے۔چاند دیکھ کر روزہ رکھو چاند دیکھ کر افطار کر دو۔ایک آدمی سارا سال نفلی روزے رکھتا ہے۔شعبان المعظم کی انتیس ہے اور فیصلہ نہیں ہو سکا کہ چاند ہوا ہے یا نہیں۔کچھ کہتے ہیں ہوا۔کچھ کہتے ہیں نہیں ہوا۔اِس شُبے میں روزہ رکھنا کہ شاید رمضان ہوگا اُس کے لئے بھی حرام ہے شُبے میں روزہ رکھنا حرام ہے روزہ نہ رکھا جائے۔اگر یقینی پتہ چلے بعد میں تحقیق ہو جائے کہ نہیں روزہ تھا تو وہ غلطی سے رہ گیا اُس کی قضا کی جا سکتی ہے لیکن شبہے میں رکھنے کا جواز نہیں ہے۔اسی طرح شُبے میں چھوڑ بھی نہیں جا سکتا اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا یہ فرمان ہے۔ صوموا لرویتکم وافطروا لرؤیتکم۔ آج سائنس کی تائید فرماتا ہے۔آج کے علم فلکیات نے بتایا کہ چاند ساری زمین پر ایک ہی وقت نظر نہیں آتا۔کچھ علاقوں میں آج نظر آتا ہے۔کچھ میں کل آئے گا کچھ میں شاید پرسوں نظر آئے اس لئے کہ جوں جوں اُس کا فاصلہ سورج سے بڑھتا ہے تو جو قریبی علاقے ہیں اُن میں پہلے نظر آتا ہے۔غروب آفتاب کے جو قریبی علاقے اُس وقت ہوتے ہیں جب چاند اور سورج میں فاصلہ بڑھ رہا ہوتا ہے تو اُن میں پہلے نظر آ جاتا ہے۔لہذا مغربی ممالک میں پہلے نظر آ جاتا ہے۔ہمیں بعد میں نظر آتا ہے تو چاند کے بھی زون ہیں طول بلد اور عرض بلد کے مطابق جو علم فلکیات کے حساب کے مطابق تقسیم کئے جا سکتے ہیں مثلاً عین ممکن ہے کراچی میں دو چار منٹ چاند دکھائی دے لیکن اُس چاند کے دیکھنے کے شاید ہم مکلف نہ ہوں۔چونکہ ہمارا اور کراچی کا آدھے گھنٹے وقت کا فاصلہ ہے۔اگر تو وہ چاند آدھا گھنٹہ آسمان پر ہے یا آدھے گھنٹے سے اُس کی عمر دو چار منٹ زیادہ ہو پھر تو ہم بھی اُس کے مکلف نہیں اس لئے کہ آدھے گھنٹے بعد تو وہاں بھی نہیں تھا۔تو بڑی آسانی سے یہ طے کیا جا سکتا ہے کہ کن شہروں میں چاند نظر آئے تو کتنے علاقے میں عید ہوگی یا کتنے علاقے میں رمضان ہوگا۔اور باقی میں دوسرے دن ہوا۔اب بجائے اسے طے کرنے کے میں کئی دنوں سے اخبار میں دیکھ رہا ہوں کہ جامعہ اظہر والے کہہ رہے ہیں کہ پوری دنیا پہ مسلمانوں کی ایک دن عید ہونی چاہئے اس کا مطلب ہے اب قمری تاریخوں کو چھوڑ دیجئے اور کوئی جون، جولائی، مارچ، اپریل کی ایک تاریخ مقرر کر لیجئے۔تب ممکن ہے ورنہ چاند تو ایک دن نظر نہیں آئے گا اور وہ بھی ایک دن نہیں ہوگا کہ یہاں جس دن بارہ ہوگی تو ہمارے عین اپوزٹ مغرب میں اُس دن گیارہ کی رات ہوگی تو پھر ایک دن عید کیسے ہوگی؟ یعنی ساری دنیا پہ تو ایک وقت میں دن ہوتا ہی نہیں۔یہ ایک نئے گروہ کا ایک نیا شاخسانہ بن رہا ہے۔اب اس پہ ایک اور نیا گروہ بن جائے گا۔

اس شبے میں روزہ رکھنا کہ شاید رمضان ہوگا حرام ہے

تو یہ گروہ بندیاں قوموں میں، امتوں میں، کب آتی ہیں؟ کیوں آتی ہیں قرانِ حکیم نے اُس کا حل یہ بتایا ہے۔وان تنازعتم فی شیءٍ فردوہُ الی اللہ والرسول. اگر کسی بات پر اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے تو اُسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرو اور وہاں سے جو حکم ہو وہ سارے مانو۔چونکہ رسول اللہ ﷺ سب کا ہے۔اللہ سب کا ہے۔اگر رسول اللہ ﷺ فیصلہ فرمائیں گے تو کسی ایک گروہ کی دوسرے پہ بالادستی نہیں ہوگی۔کسی ایک فرد کی دوسرے پہ چڑھائی نہیں ہوگی بلکہ رسول اللہ ﷺ سب کے ہیں تو فیصلہ بھی سب کا ہوگا۔لیکن اگر آپ اُس بات کو بارگاہ رسالت پناہی ﷺ میں پیش نہیں فرماتے۔شریعت مطہرہ پہ پیش نہیں فرماتے۔آپ ﷺ کے احکام کے مطابق تصفیہ

نہیں کرتے تو پھر ہر کوئی اپنی اپنی رائے پہ ڈٹ جائے گا اُسے نیکی بھی سمجھے گا' ثواب بھی سمجھے گا اور مخالف کو یا نہ ماننے والے کو زیر کرنے کی کوشش بھی کرے گا۔ پھر بات باتوں سے الزامات پہ جائے گی' الزامات سے بہتان پہ جائے گی' بہتان سے لڑائی پہ جائے گی' پھر ایک دوسرے کے دشمن بن جاؤ گے تو کیا ہوگا؟ ویذیق بعضکم باس بعض ○ ایک دوسرے کی طرف سے دوسرے پر تکلیف اور دکھ اور خراب کا اظہار ہوگا اور ہم اس انتہا کو پہنچ چکے ہیں ہماری گروہ بندیاں اس حد تک چلی گئی ہیں کہ اب کسی گروہ کا عبادت خانہ بھی محفوظ نہیں۔ جو اپنے آپ کو مواحد اور توحید پرست کہلواتے ہیں اُن کی مساجد میں بھی بم پھٹتے ہیں جو اپنے آپ ﷺ کو صوفی اور اہل اللہ کہلاتے ہیں اُن کی مساجد میں بھی گولی چلتی ہے جو اپنے آپ کو مومن کہلاتے ہیں اُن کے امام بارگاہوں میں بھی گولے برستے ہیں کون کوئی باہر سے آتا ہے عذاب الٰہی ہے کہ بے شمار گروہ بن گئے ہر گروہ اپنے آپ کو صرف حق پہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ دوسرے کو مٹانا بھی ضروری سمجھتا ہے کہ دوسرے کو زندہ بھی نہ رہنے دیا جائے۔

اس طرح جب سلاسل یا جماعتیں بنتی ہیں تو اُن میں بھی اللہ کی ناراضگی کا ظہور اس طرح ہوتا ہے کہ اُن میں بھی گروہ بندیاں بن جاتی ہیں اور یہ گروہ بندی بالکل اسی طرح بنتی ہے جس طرح امتوں میں بنتی ہے۔ کہ جب آدمی اپنی رائے اور اپنے فیصلے پہ اڑ جاتے ہیں تو گروہ بندیاں بن جاتی ہیں جس طرح وہاں حکم ہے کہ بارگاہ نبوی ﷺ میں معاملات کو پیش کرو۔ اسی طرح جماعت میں بھی چاہیے کہ بات کو شیخ کے سامنے رکھا جائے اور جو طے ہو وہ سب کے لئے قابل قبول ہو۔ ہر آدمی کا شیخ پر اتنا ہی حق ہے

اگر کسی بات پر اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے تو اُسے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرو

جتنا کسی بہت قریبی کا۔ شیخ سے کوئی دور نہیں ہوتا۔ کوئی امتی نبی ﷺ سے دور نہیں ہے۔ ہر ایک کو یہ اعتماد ہونا چاہئے کہ میرا شیخ ہے میں اپنی گزارش پیش کر سکتا ہوں۔ میں اپنی بات کر سکتا ہوں میں اپنا دکھ کہہ سکتا ہوں۔ اگر یہ چیز نہیں رہے گی تو وہ قوت' وہ جذبہ' جو ذکر اذکار پہ آمادہ کرتا ہے۔ وہ جذبہ جو ایثار و قربانی پہ آمادہ کرتا ہے۔ وہ جذبہ جو قرب الٰہی کی تلاش پہ آمادہ کرتا ہے اُس میں کمی آ جائے گی۔ اور عظمت الٰہی کو تلاش کرنے کی بجائے بندہ اپنی بڑائی کی مصیبت میں گرفتار ہو جائے گا۔ چونکہ یہ کیفیات بھی انعکاس ہوتی ہیں اور از خود پیدا نہیں ہوتیں۔

سیدنا فاروق اعظمؓ سے فتح بیت المقدس کے وقت عرض کیا گیا کہ آپؓ اچھا لباس پہن لیں اور ایک اچھے سے گھوڑے پہ بیٹھ جائیں۔ آخر عیسائیوں نے آپؓ سے بات کرنی ہے اور آپؓ کو بحیثیت امیر المومنین دیکھنا ہے تو یہ آپؓ کا لباس پھٹا ہوا ہے اور ٹاکیاں لگی ہوئی ہیں۔ پھر اوپر سے بارش برسی اُس سے لت پت ہے اور سواری کے اونٹ کا بھی یہی حال ہے۔ آپؓ نے لباس تبدیل فرمایا اچھے گھوڑے پر بیٹھے اور پھر اُتر گئے اور کہا میرا وہی لباس لاؤ۔ مجھ میں ایک اکڑ سی پیدا کر دی تھی یہ تو مجھے نہیں چاہیے پھر فرمایا کہ یہ بہترین نسل کے گھوڑے عرب میں موجود تھے۔ بہترین لباس' زر و جواہر اور سونے کے تاج عرب میں موجود تھے لیکن ہمیں جانتا کوئی نہیں تھا ہمیں کوئی گھاس تک نہیں ڈالتا تھا۔ کون ہمیں پوچھتا تھا؟ ہماری عزت گھوڑوں سے اور بہترین لباس سے نہیں ہے ہماری عزت محمد رسول اللہ ﷺ کی غلامی سے ہے۔ حضور ﷺ کی بعثت نے ہمیں عرب بنا دیا۔ آپ ﷺ کی رفاقت نے ہمیں ان منازل پہ پہنچا دیا۔ حضور ﷺ کی غلامی میں ہماری عزت ہے یہی ہماری پہچان ہے۔ یہ بہترین لباس اور یہ بہترین سواریاں نہیں۔ آپؓ نے وہی اپنا لباس پہن لیا اور اُس طرح اونٹ کی مہار پکڑ لی کہ سواری کی باری غلام کی ہے' بیت

المقدس تک اوپر بیٹھو اب میں مہار پکڑ کے چلوں گا۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ یہی نشانی کتب سابقہ میں دی گئی تھی۔ جو عیسائی علماء کے مطالعہ میں تھی کہ ایک عجیب شخص ہوگا' پھٹے ہوئے لباس والا' کیچڑ سے آلودہ اونٹ پر غلام اور خود مہار پکڑے ہوئے۔ اُس سے لڑنا مت وہ بیت المقدس کا فاتحہ ہے۔ اُسے شہر سپرد کر دینا انہوں نے دیکھا تو انہوں نے شہر خالی کر دیا کہ اس سے لڑو گے تو تباہی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ فتح اس کا مقدر ہے۔

تو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی غلامی باعث عزت وافتخار ہے۔ اسی طرح جماعت کے ہر طالب کو اپنے شیخ پہ اور اپنی ذات پہ بھی اعتماد ہونا چاہئے۔ کہ میرا بھی تعلق ہے۔ جو بات کرے وہ کسی کی تکلیف' کسی کی بُرائی' کسی کو دکھ پہنچانے کے لئے نہیں اپنی اصلاح اور دوسروں کی اصلاح کی فکر کرے اور بھلائی کی بات کرے۔ چونکہ یہ عذاب او یلبسکم شیعاً و یذیق بعضکم بأس بعض ٥ آج ہم ہر طرف گروہ برپا دیکھ رہے ہیں۔ یہ عذاب ہے جو باقی رہ گیا اس میں قومیں بٹ جاتی ہیں اور آپ دیکھ لیں میں نہیں سمجھتا کہ ملک میں کوئی ایک مسجد ایسی ہو جہاں مختلف گروہ نہ ہوں۔ جہاں نہیں ہونا چاہئے وہاں بھی اختلاف ہے مسجد اللہ کی ہے جو نماز پڑھ رہا ہے مسلمان ہے۔ یہ کافی ہے چلو نیک نہ ہوگا گناہگار ہوگا لیکن یہ فیصلہ کہ وہ نیک ہے یا گنہگار یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے ہمیں تو اُس نے جج نہیں بنایا کہ کسی کے بارے میں ہم فیصلہ دیں کہ یہ نیک ہے یا گناہگار۔

ولا تزکوا انفسکم۔ اپنے آپ کو پارسا مت سمجھو اس لئے کہ جن کاموں کو تم نیکی سمجھے بیٹھے ہو شاید وہی اُس کے ہاں گستاخی ہوں کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ اُس کے اندر ایک خلوص اور نیت بھی ہوتی ہے۔ کیا خبر جس سجدے کو ہم عبادت سمجھ رہے ہیں اُس میں ناراض ہو کہ اس میں تو تو نے اپنی پارسائی کے لئے سجدے لمبے کئے تھے کہ لوگ سمجھیں یہ بڑا نیک ہے۔ اس میں میرا سجدہ کونسا ہے پھر ہم نے تو اُسے نیکی لکھا ہوا ہے کہ میں نے اتنے نفل پڑھے اور وہ ناراض ہے کہ تم نے بُری نیت سے پڑھے۔ تمہارا ارادہ اپنی پارسائی جتانے کا تھا میری عبادت کا تو نہیں تھا۔ اس طرح بہت سے کام جو ہم کرتے ہیں تو کسی نیکی کی ہمیں رسید نہیں ملتی کہ یہ تمہاری نیکی قبول ہوگئی۔ گناہ کا تو ہمیں پتہ ہوتا ہے بُرائی ہے۔ تو اپنے آپ کو پارسا سمجھنا اور دوسرے کو بُرا سمجھنا یہ درست نہیں ہے۔ مسجد میں ایک شخص نماز پڑھا رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا نیک ہے یا بُرا' جو مسلمان نماز پڑھا رہا ہے اُس کے پیچھے نماز پڑھو بات ختم ہوگئی۔ وہ جیسا بھی ہے اُس وقت نماز پڑھا رہا ہے۔ آپ آ گئے آپ نماز پڑھ لیں۔ آپ نے جانا ہے آپ نے اپنا کام کرنا ہے تو اُس میں کیا ہے جب اللہ قبول کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پڑھنے کا حکم دیتے ہیں تو ہمیں کیا جھگڑا کہ فلاں کیوں پڑھا رہا ہے؟ لیکن ایک اسی بات پہ دیکھ لیجئے کہ امت میں کتنا تفرقہ ہے۔ امین بلند آواز سے کہنی ہے یا خاموشی سے' اس پہ جھگڑا چل رہا ہے۔ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنی ہے نہیں پڑھنی' اس پہ جھگڑا چل رہا ہے۔ اگلے دن ایک ساتھی کا خط تھا کہ مجھے کچھ لوگ کہتے ہیں تم امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتے۔ تمہاری نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔ میں نے کہا اُن سے پوچھو تمہیں قبول یا رد کرنے کا اختیار کس نے دیا۔ تم کون ہوتے ہو؟ کسی کی نماز قبول کرنے والے یا رد۔ میں کیا تمہاری نماز پڑھ رہا تھا۔ فروعی اختلافات ہیں اور ہونے چاہیں اس لئے کہ ہر انسان کی ذہنی استعداد اور فکری استعداد ایک سی نہیں ہوتی۔

جب آدمی اپنی رائے اور اپنے فیصلے پہ اڑ جاتے ہیں تو گروہ بندیاں بن جاتی ہیں

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی جب خندق سے واپسی ہوئی۔ آپ ﷺ نے ابھی زرہ نہیں اُتاری خود مبارک اُتارا اور سر اقدس پہ پانی کا

ایک چلو ڈالا۔ دوسرا ڈالا' تیسرا ابھرا تو وحی آ گئی کہ زرہ مت اُتاریے اور بنو قریظہ کی طرف جائیے تو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار نہیں اُتارے گا۔ سیدھے بنی قریظہ پہنچو اور چونکہ ظہر ڈھل رہی تھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ عصر کی نماز وہاں پڑھو۔ مراد یہ تھی کہ جلدی پہنچو۔ آپ ﷺ نے بھی خود مبارک زیب تن فرمایا اور تیار ہو گئے نکل پڑے۔ تو راستے میں عصر کا وقت آ گیا تو مجاہدین اللہ کے وہ مقرب بندے جو چالیس دن خندق میں رہے تھے۔ بھوک' پیاس' سردی کی شدت' جنگ تکلیف ساری بھگت کر پھر آگے محاذ پر جا رہے تھے اُن میں بات سمجھنے میں اختلاف رائے ہو گیا۔ کچھ نے کہا چلتے چلو مت رکو۔ عصر وہاں پڑھنی ہے۔ دوسروں نے کہا بھئی حضور ﷺ نے محاورۃً فرمایا ہے عصر وہاں پڑھو ورنہ حضور ﷺ ہمیشہ تاکید فرماتے ہیں کہ نماز اول وقت پڑھی جائے تو وہاں جا کر بھی نماز ادا کرنی ہے۔ یہاں بھی کرنی ہے وہاں دیر ہو جائے گی یہاں بروقت ہو جائے گی تو نماز یہاں پڑھ لی جائے اور نماز کا وقت تو وہاں بھی چاہئے یہاں بھی چاہیے اور حضور ﷺ ہمیشہ تلقین فرماتے ہیں کہ نماز پہلے وقت میں پڑھو اس لئے نماز پڑھ لینی چاہئے۔ پھر وہاں پہنچ جاتے ہیں دوسرے نے کہا جی نہیں حضور ﷺ سادہ سا حکم ہے کہ عصر وہاں جا کر پڑھو بس بات ختم ہو گئی تو آدھے کچھ لوگ جو اُس طرف تھے وہ چلے گئے' انہوں نے عصر وہاں جا کر پڑھی کچھ لوگوں نے وہاں راستے میں پڑھ لی اور اُن کے فارغ ہونے تک یہ بھی پہنچ گئے۔ حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے تو یہ بات آپ ﷺ کے سامنے پیش کی گئی کہ حضور ﷺ کچھ لوگوں نے نماز راستے میں پڑھ لی اُن کا خیال یہ تھا کہ آپ ﷺ اول وقت پڑھنے کی تلقین فرماتے ہیں لہٰذا

ہماری عزت گھوڑوں
اور بہترین لباس سے
نہیں ہے بلکہ ہماری
عزت محمد رسول اللہ ﷺ
کی غلامی سے ہے۔

نماز اول وقت پڑھنی چاہئے۔ پھر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ دوسروں نے کہا کہ جب حضور ﷺ نے حکم دیا عصر وہاں ہو گی تو اُس میں تاویل کی کیا گنجائش ہے؟ وہیں جا کر پڑھیں گے اول وقت ہو یا آخر وقت ہو۔ آپ ﷺ نے سکوت فرمایا اور دونوں کی رائے قبول فرمائی۔ اس لئے کہ دونوں طرف خلوص تھا' کوئی اپنی بات منوانے کے لئے نہیں کر رہا تھا۔ ان کی رائے میں بھی وزن تھا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں اول وقت پڑھو۔ یہ بھی حضور ﷺ کا حکم ہے اور اگر وہاں پہنچیں گے تو وہاں بھی عصر پڑھنی ہے تو یہاں پڑھ لیں دوسروں نے کہا جی سیدھے وہاں جا کر پڑھو تو آپ ﷺ نے سکوت فرمایا اور کسی کو کسی پر ترجیح نہیں دی گویا فرمایا دونوں حق ہیں۔

یہ فروعی اختلاف ہے امین کہنا' اس کا کوئی منکر نہیں ہے سب امین کہتے ہیں یہ تو اصل ہے اب فرعہ کیا ہے بلند آواز سے کہی جائے یا آہستہ سے کہی جائے۔ اُس میں فرق ہے تو کیا ہوا؟ تکبیر کہنے اور تکبیر پر ہاتھ اٹھانے پہ کوئی اختلاف نہیں' جو بھی بندہ نماز کی نیت کرتا ہے وہ تکبیر بھی کہتا ہے' ہاتھ بھی اٹھاتا ہے' حنفی بھی اٹھاتے ہیں' مالکی بھی اٹھاتے ہیں' شافعی بھی اٹھاتے ہیں' حنبلی بھی اٹھاتے ہیں' سارے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اب احناف کے نزدیک پہلی تکبیر پہ ہاتھ اٹھانے سے ہاتھ اٹھانے کا حکم پورا ہو گیا۔ ہر تکبیر پہ اٹھانا ضروری نہیں دوسرے آئمہ کہتے ہیں جب اللہ اکبر کہو تو ہاتھ کانوں کی طرف لے جاؤ یہ فروعی اختلاف ہے۔ اصل تو یہ تھی کہ تکبیر کہی جائے اور اُس پر ہاتھ کانوں کو لگایا جائے۔ اُس کے تو سب قائل ہیں۔ آگے اُس کی وضاحت میں تھوڑا تھوڑا فرق اُس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ اور یہ اختلاف صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی تھے۔ انہی کو مشاجرات صحابہ کہا گیا ہے۔ صحابہ کبار میں جھگڑے نہیں تھے' یہ فروعی اختلاف تھے اور اُسے مشاجرہ کہا گیا۔

مشاجرہ شجر سے ہے جس طرح کسی درخت کی ٹہنیاں بہت گھنی ہو جائیں اور ایک دوسرے میں الجھ جائیں تو زیادہ گھنا سایہ ہو جاتا ہے۔ زیادہ مزے دار ہو جاتا ہے' تو صحابہ کرام کے ان فرعی اختلافات کو مشاجرات کہا گیا کہ ان کی وجہ سے احکام نبوی ﷺ کی خوب وضاحت ہو گئی اور اُن کا ہر پہلو سامنے آ گیا اور عمل کرنے والے کے لئے آسانیاں پیدا ہو گئیں کوئی اُس طرح سے کر لے گا کوئی اُس طرح سے کر لے گا۔

اختلاف رائے اگر فرع میں ہو اصل میں نہ ہو تو اختلاف نہیں ہے۔ وہ سمجھ کا فرق ہے' دانست کا فرق ہے' علم کا فرق ہے اب ایک بات جو کی جا رہی ہے اپنی اپنی استعداد کے مطابق ہر بندہ اُس سے مستفید ہو گا۔ سب کے سمجھنے کا' سننے کا لیول ایک نہیں ہے قوت سماعت میں فرق ہوتا ہے۔ قوت بصارت میں فرق ہے۔ اسی طرح سمجھنے کی قوت، ادراک بھی ہر ایک کا اپنا اپنا ہوتا ہے لیکن جب اختلاف یہ صورت اختیار کر جائے کہ دوسرے کی ایذا کا سبب بننے لگے تو پھر یہ عذاب الٰہی بن جاتا ہے۔ جب اختلاف برائے اختلاف ہو جائے اور دوسرے کو منوانا مقصود ہو اور اُسے طے کرنا اور اُسے شکست دینا مقصود ہو تو پھر یہ عذاب الٰہی بن جاتا ہے۔ فرمایا کہ

وہ اس بات پر قادر ہے۔ او یلبسکم شیعاً تمہیں گروہ گروہ کر دے۔ ویذیق بعضکم باس بعض۔ اور ایک گروہ دوسرے گروہ پر چڑھ دوڑے اور قتل و غارت کرے اور تباہی کرے یا اُسے ذہنی طور پر پریشان کرے یا اُسے مادی طور پر نقصان دے۔ یہ عذاب اُس صورت میں آتا ہے جب آپ مرکز سے کٹ جاتے ہیں۔ جب اُمتی اپنے حبیب ﷺ سے کٹ جاتا ہے اور اپنی رائے پہ عمل کرنے لگتا ہے۔ اگر کوئی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے کسی بات پہ جھگڑا پیدا ہو جائے۔

اگر کسی بات پر اختلاف رائے پیدا ہوتا ہے تو اسے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کرو

ان تنازعتم فی شیءٍ. تنازعہ پیدا ہو جاتا ہے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی طرف لٹاؤ۔ اسی طرح سلسلے میں' جماعت میں' کوئی اختلاف رائے آتا ہے تو اُسے شیخ کے پاس پیش کیا جانا چاہئے۔ اُسے طے ہونا چاہئے اور جو فیصلہ ہو وہ ہر ایک کے لئے قابل قبول ہونا چاہئے۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ یہ مسلمان یا مومن نہیں ہو سکتے۔ جب تک اپنے جھگڑوں پر آپ ﷺ کو حاکم مقرر نہ کر لیں اور پھر یہ نہیں کہ صرف رسول اللہ ﷺ سے فیصلہ کروائیں بلکہ جو فیصلہ آپ ﷺ دیں وہ سچے دل سے قبول کریں اور کسی کے دل میں کوئی اُس کے خلاف رنجش نہ آئے۔

کسی کے دل میں رائی برابر یہ بات نہ آئے کہ ایسا فیصلہ کیوں ہوا؟ بلکہ خلوص دل سے یہ سمجھیں کہ جو فیصلہ ہوا ہمارے لئے وہی حکم ہے۔ اللہ کریم مہربانی فرمائے۔ ٹوٹی پھوٹی عبادت قبول فرمائے۔ کوتاہیوں' لغزشوں' گناہوں' سے درگزر فرمائے لیکن انسان چونکہ مکلّف ہے اُسے اپنے کردار کی ہر وقت فکر رہنی چاہیے اپنی سوچوں کا احتساب کرتے رہنا چاہئے اور اپنے آپ کو اپنے سامنے رکھنا چاہیے۔ محاسبہ اپنا کیا جانا چاہئے سیدنا فاروق اعظمؓ فرماتے تھے اپنا محاسبہ کیا کرو اس سے پہلے کہ تم سے حساب لیا جائے۔ اور فرماتے تھے دوسروں سے عبرت حاصل کیا کرو اس سے پہلے کہ تم کسی اور کے لئے عبرت بن جاؤ۔ تو میرے بھائی! سب باتوں کی بنیاد تعلق اور پیوستگی سے ہے۔ اپنے آپ کو اپنے مرکز سے پیوستہ رکھو۔ اپنا اعتماد بحال رکھو۔ اور کوئی صورتحال' کوئی بات' ہو اُسے اپنے اور دوسروں کے بھلے کیلئے پیش کرو۔ بے تکلفی سے بات کرو ہر ایک کا حق ہے اللہ کریم سب کو استقامت علی الدین نصیب فرمائے۔

آمین ثم آمین

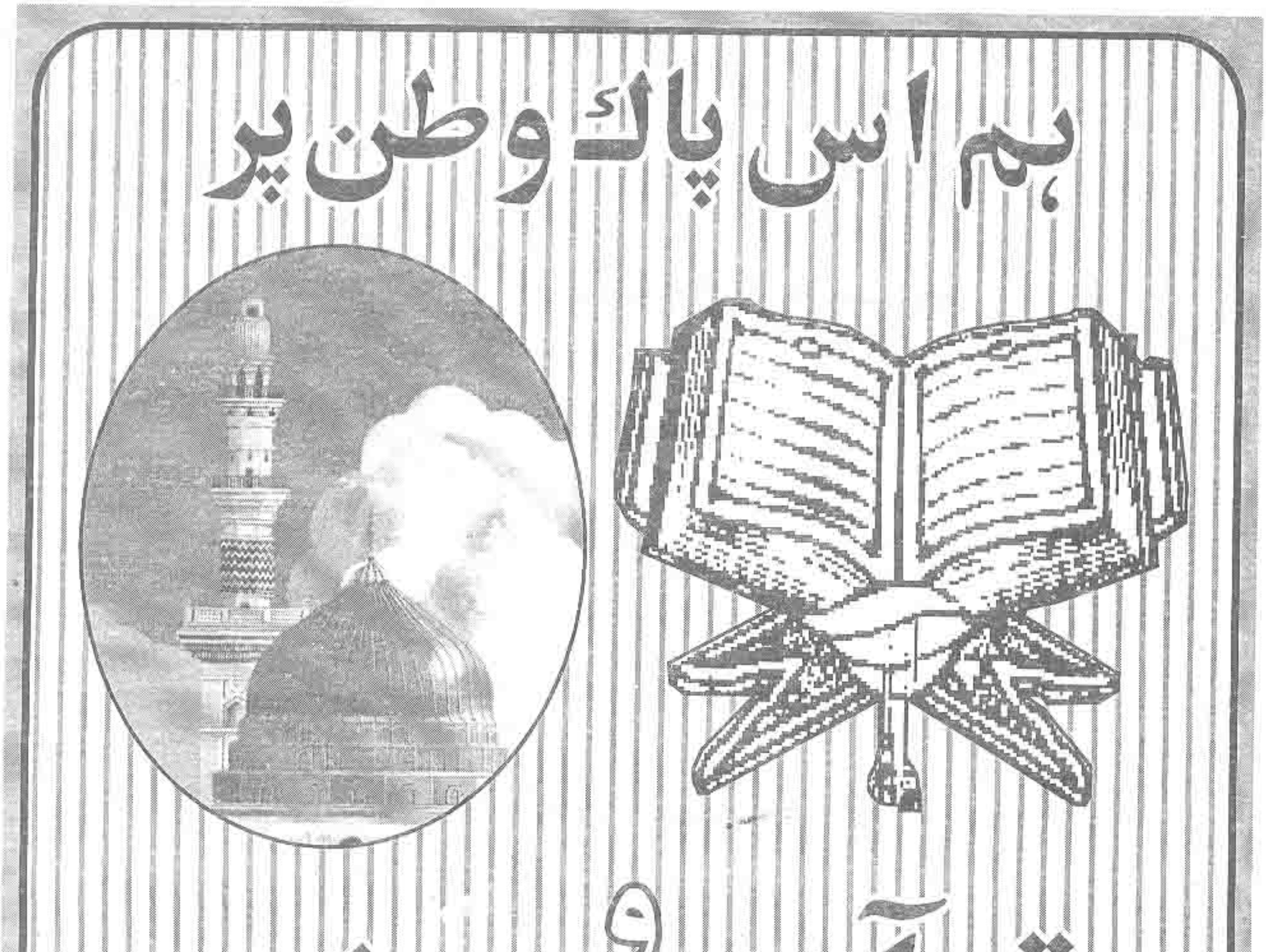
ہم اس پاک وطن پر
قرآن و سنت
کی حاکمیت چاہتے ہیں
شیخ ناصر، شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمان مارکیٹ منٹگمری
بازار، فیصل آباد فون 617057-611857
تاجران : کاٹن یارن اینڈ پی سی یارن

دنیا میں جیو............ آخرت کیلئے

انسانی زندگی کا خاصہ ہے کہ کبھی سستی ہو گئی' کبھی بھول چوک ہو گئی۔ لیکن وہ بھول اُسے ایک درد دے جو اُس کے دل سے اٹھے کہ یہ نہیں ہونی چاہئے تھی اور اُسے قرب الٰہی نصیب ہو اللہ کے حضور رو رو کے مغفرت کی دعا کرے اور رب العٰلمین کے قریب ہوجائے تو یہ زندگی یہیں کمانا' کھانا' یہی سیاست' یہی حکومت' یہی تجارت' یہی زراعت' یہ ملازمت' یہ سارا کچھ عبادت اور یہ زندگی آخرت کی زندگی بن جاتی ہے۔

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 03-12-12

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وما ھذہ الحیوۃ الدنیا الا لھو' ولعب O وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانو یعلمون O

دین اسلام سارے کا سارا بنیادی طور پر علم ہے' معرفت ہے اور اسلام سے باہر سب جہالت ہے۔ جہالت ایک ایسا درخت ہے' ایک ایسا پودا ہے' جس کے پھل پر ساری خرابیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ کفر بجائے خود کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ جہالت کا پھل ہے اللہ کی عظمت سے ناآشنا ہونا۔ جاہل ہوتا ہے تو کافر ہوتا ہے۔ ظلم جہالت کا پھل ہے۔ جہالت کے مختلف پھل ہیں اور اسلام بنیادی طور پر علم ہے' معرفت ہے' پہچان ہے' اللہ کو جاننا تمام علوم کی بنیاد ہے۔ عظمت الٰہی سے آگاہ ہونا۔ اللہ کے رسول ﷺ کو پہچاننا علم کی اساس ہے اللہ کی کتاب علم کا خزینہ ہے اور اگر علم نہ ہو۔ اب علم کے بھی مختلف مدارج ہیں۔ دنیوی علوم بھی علم کا حصہ ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا العلم علمان. علم الادیان وعلم الابدان او کماقال رسول اللہ ﷺ. العلم جو ہے یعنی The Knowledge۔ سارے کا سارا علم جو ہے اُس کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ علم الادیان ۔ ایمانیات' اخلاقیات' جسے آپ Normative Sciences کہتے ہیں اور دوسرا حصہ ہے علم الابدان

Physical Sciences

موجودات کا علم، جس کا ایک حصہ میڈیکل سائنس بھی ہے۔ جس کا ایک حصہ Over All سائنسی علوم بھی ہیں۔ ٹیکنالوجی ہے۔ یہ جو کچھ ہوتا ہے یہ سارا اُس اصل علم کا حصہ ہے لیکن اگر علم کی اساس علم دین علم الادیان Normative Science کا علم جو ہے وہ نہ ہو تو پھر سارا علم دنیا بن جاتا ہے۔ یہ بڑی ایک نازک سی اور لطیف سی بات ہے کام وہی ہوتا ہے لیکن انسانی فہم وشعور اُس کے نتائج کو تبدیل کر دیتا ہے۔ انسانی ادراک اُس کی حیثیت کو ایسا تبدیل کرتا ہے اس کے نتائج بدل جاتے ہیں۔

سورۃ العنکبوت اکیسویں پارے کی آیت کریمہ ارشاد ہوتا ہے وما ھذہ الحیوۃ الدنیا الالھو ولعب یہ دنیا کی زندگی کیا ہے؟ سوائے کھیل اور تماشے کے یعنی سوائے وقت کے ضائع کرنے کے' سوائے لمحاتی لذتوں کے' اس میں کچھ بھی نہیں ہے اور اس کے مقابلے میں انّ الدار الاخرۃ لھی الحیوان. آخرت کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔

لو کانوا یعلمون O کاش لوگ اس بات کو سمجھ جاتے' اس کا علم حاصل کر لیتے' اس سے تعلق بنا لیتے اب آخرت کی زندگی کیا ہے؟ کیا اس زندگی کے بعد جو زندگی آئے گی وہ مراد ہے۔ ہاں بالکل مراد ہے تو زندگی ہم کیسے جی سکتے ہیں؟ وہ تو موت کے بعد جب آئے گی تو پھر دیکھا جائے گا۔

آج ہم وہ زندگی کیسے جیئیں یہی بات یہاں سمجھنے والی ہے کہ اگر اسی دنیا کی زندگی کو آخرت کے لئے جئیں ۔لھی الحیوان. تو یہی زندگی ہے۔ کام وہی ہے آپ نے رزق کمانا ہے۔ آپ اگر اپنی کمائی میں یہ خیال رکھتے ہیں کہ کائنات اللہ کی ہے' مالک وہ ہے' اُس نے حقوق اور فرائض تقسیم کر دیئے ہیں' اُس نے حدود متعین کر دی ہیں۔ حصول رزق کے لئے

میرے لئے جو جائز وسائل ہیں اُن میں سے رزق حاصل کروں۔ دوسروں کا حق نہ ماروں اور اللہ کے بتائے ہوئے رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کروں۔ کیوں؟ اس لئے کہ مجھے رزق سے صرف پیٹ نہیں بھرنا' صرف گھر نہیں بنانا' صرف گاڑی نہیں خریدنی' صرف اچھے کھانے نہیں کھانے' بلکہ مجھے اس پر اُخروی زندگی میں جینا ہے تو جب وہ حصول رزق کے وسائل ہم اللہ کے لئے' اللہ کے حبیب ﷺ کی سنت کے مطابق جائز اختیار کریں گے تو وہ حصول رزق جو ہے دولت بھی دے گا' عبادت بھی بن جائے گا' اور گویا اس دنیا میں رہتے ہوئے بندہ اُخروی زندگی جی رہا ہے چونکہ موت کے بعد جب آخرت کی زندگی آئے گی تو اُس میں سارے نتائج سامنے آ جائیں گے۔ جو عمل ہم اس زندگی میں کرتے ہیں۔ لہٰذا اُس زندگی کو جینے' اُس زندگی کو کسی خاص راستے پہ ڈالنے کا آج موقع ہے اور اگر بندہ خدانخواستہ آخرت کو بھول جاتا ہے۔ اُخروی زندگی کی پرواہ نہیں کرتا' محض دنیوی زندگی جیتا ہے تو وہ اربوں حاصل کر لے چھوڑ کے مر جائے گا۔ کروڑوں روپے جمع کر لے کوئی ایک ایسا مرض آئے گا کہ خود کھا بھی نہیں سکے گا۔ اچھا کھانا بھی نصیب نہیں ہوگا۔ یعنی دنیا کی زندگی تو محض اک تماشہ ہے لیکن اگر اُس نے احکام الٰہی کے مطابق رزق حلال کمایا اور ورثاء کو دے کر گیا تو وہ بھی عبادت شمار ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اولاد کو محتاج چھوڑنے کی بجائے انہیں کچھ دے کر جانے والا آدمی بہتر آدمی ہے۔ لیکن یقیناً آپ ﷺ کی مراد رزق حرام تو نہیں ہو سکتا' لوٹ کا مال تو نہیں ہو سکتا کام وہی ہے روزی کمانی ہے' زندگی گزارنی ہے' بچوں کو پالنا ہے' معاشرے میں اپنا ایک مقام' اپنی حیثیت بنا کے رکھنی ہے۔ اسی سارے کام کو اگر اللہ کے حکم کے مطابق نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت کے مطابق ڈھال لیا جائے تو یہ سارا علم ہو جاتا ہے۔ یہی ساری

دنیا کی زندگی تو محض اک تماشہ ہے لیکن اگر اُس نے احکام الٰہی کے مطابق رزق حلال کمایا اور ورثاء کو دے کر گیا تو وہ بھی عبادت شمار ہوگا۔

معرفت الٰہی ہو جاتی ہے اور ایک ایک کام قرب الٰہی کا سبب بنتا رہتا ہے۔ وہاں اللہ کریم کو نہ ہماری دولت کی احتیاج ہے' نہ ہماری قربانیوں کی ضرورت ہے' نہ وہ ہماری محنت کا محتاج ہے' وہ تو دینے والا ہے وہ ایک جذبہ' وہ ایک کیف' جو دل کے اندر ہوتا ہے جو اس زندگی کو اس صبح و شام کو اس شب و روز کو آخرت کی زندگی میں ڈھال دیتا ہے۔ اُس میں ایک لذت یہ ہوتی ہے کہ آدمی ہمہ وقت اللہ کے روبرو جیتا ہے۔ یعنی سب سے بڑی لذت جو حقیقی حیات میں ہے یا اخروی زندگی میں ہے وہ یہ ہے کہ اس زمین پہ رہتا ہے' انہی لوگوں میں رہتا ہے' اسی ماحول میں رہتا ہے' اسی فضا میں رہتا ہے' یہیں کی روزی کھاتا ہے' اسی موسم اور اسی ماحول میں ساری شدتیں' گرمیاں' سردیاں' بہار' خزاں' سب دیکھتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ اسی زندگی میں' اسی ماحول اور اسی فضا میں' وہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

وھو معکم اینما کنتم. تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ اللہ کے روبرو ہوتا ہے وہ رحمت عالم ﷺ کے سایہ شفقت کے نیچے ہوتا ہے۔ دامان رحمت کے نیچے ہوتا ہے اور اُسے زندگی لذتیں دیتی ہے۔ اُس کا سونا بھی عبادت میں ڈھل جاتا ہے۔ اُس کا جاگنا بھی عبادت بن جاتا ہے۔ اُس کے صلح اور جنگ دونوں عبادت بن جاتے ہیں۔ وہ لڑائی میں مارا جاتا ہے تو شہید ہو جاتا ہے گویا اُس نے موت کو بھی شکست دے دی کیوں؟ اس لئے کہ اُس نے جنگ اپنی مرضی سے نہیں کی جہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا حکم تھا وہاں جنگ کی۔ جہاں صلح کا حکم تھا وہاں صلح کر لی۔ تو اطاعت الٰہی کی حد یہ ہے کہ اُس نے جان بھی ہار دی تو اللہ کریم فرماتے ہیں کہ جو اس منزل کو پا لے' میری خاطر اپنی جان بھی ہار دے۔ اگرچہ وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہوا اُس کے جسم کے پرخچے اڑ گئے ہوں اُسے گولی لگی ہو' کوئی بم بلاسٹ ہوا' جل گیا ہو' راکھ ہو گیا ہو' لیکن لا تقولو لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ اموات. اللہ کی راہ میں جو مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو۔ بل احیاء' وہ زندہ ہیں۔ ہم نے تو رب العلمین اُس کے وجود کے ٹکڑے اٹھائے' انہیں کفن

پہنایا' ان کا جنازہ پڑھا' انہیں قبر میں دفن کر دیا' فرمایا! یہ سب درست ہے' اس سب کے باوجود۔ بل احیاء 'وہ زندہ ہے وہ مرا نہیں۔ ولکن لاتشعرون. تم نہیں سمجھ سکتے کہ زندگی کا یہ روپ کیسا ہے؟ یہ تمہاری انسانی عقل اور دنیوی شعور ہی سے بالاتر ہے بلکہ قرآن حکیم نے اس سے آگے یہ سوچنے پہ بھی پابندی لگا دی کہ شہید مر چکا ہے۔

ولا تحسبن الذی قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عندربھم یرزقون o

جو اللہ کی رہ میں جان ہار جاتے ہیں۔ اُن کے لئے یہ سوچنا بھی منع ہے کہ وہ مر گئے مت ایسا خیال کرو۔

بل احیاء۔ وہ تو زندہ ہیں۔ عندربھم. اپنے پروردگار کے اتنے قریب ہو گئے کہ وہ ہر لحہ رب کے پاس رہتے ہیں۔ احیاء عندربھم. جو مادی حجابات اس وجود کی وجہ سے تھے۔ جو مادی حجابات اس خاکی بدن کی وجہ سے تھی وہ بھی ہٹ گئے وہ تو ہمہ وقت اب اللہ کے روبرو اُس کے پاس زندہ ہیں۔ یرزقون. کھاتے پیتے ہیں' تمہاری طرح زندہ ہیں' جاگتے ہیں' لہذا اُن کے بارے یہ سوچو بھی نہیں کہ وہ مر چکے ہیں کیوں؟

اس لئے کہ وہ اپنی خواہش نفس پر نہیں مرے' اپنی انا کے لئے نہیں مرے' کسی کو نیچا دکھانے کے لئے نہیں مرے' کسی کا مال لوٹنے کے لئے نہیں مرے' وہ مرے بھی تو اللہ کے حکم کے مطابق، زندہ رہے تو بھی رب العلمین کے حکم کے مطابق تو یہی زندگی دنیا بن جاتی ہے جب اسے ہم احکام الٰہی سے الگ کر لیتے ہیں۔ اس پہ اپنی پسند حاوی کر دیتے ہیں' اپنی خواہشات کو حاوی کر دیتے ہیں' زندگی کا سائیکل تو وہی ہے کہ بندہ جوان ہوا' اس نے شادی کی' گھر بنایا' اولاد ہوئی' اُن کے لئے رزق کمایا' اور مر گیا۔ اکبرالٰہ آبادی نے کہا تھا کہ

کیا کہیں احباب کیا کارنمایاں کر گئے
بی۔ اے۔ کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

موت بھی بھلا کوئی ڈرنے کی چیز ھے یھی تو وہ پل ھے جو محبوب کے قدموں میں پھنچا دیتا ھے۔

یعنی زندگی کا سائیکل وہی رہتا ہے کہ جوان ہوا' اُس نے گھر بسایا' روزی کے کوئی وسائل جمع کئے' بچے ہوئے' بچے پالے' بوڑھے ہوئے اور مر گئے۔ اب اسی زندگی کو اگر وہ اطاعت الٰہی کے ساتھ سنت محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جوڑ لیتا ہے۔ تو اُس کا پڑھنا اور حصول علم دنیا میں بھی عبادت بن جاتا ہے۔ جس طرح ایمانیات کا حصول آدھا علم ہے۔ اسی طرح دنیا میں زندہ رہنے کا' دنیوی امراض کا' بدنی ضرورتوں کا' حصول رزق کا علم' اخراجات کا علم' خرید و فروخت کا علم' یہ سارے علوم کیا ہیں؟ اُس زندگی اور علم کا نصف حصہ ہیں یہ سارے حاصل کرنا عبادت بن جاتا ہے۔ پھر اُن کے مطابق بہتر زندگی گزارنا' بہتر ماحول پیدا کرنا' اپنے لئے بھی آرام اور سہولتیں پیدا کرنا' دوسروں کو بھی آرام اور سہولتیں پہنچانا اور اُن حدود اور قیود کو مدنظر رکھنا' جو رب العلمین نے مقرر فرمائی ہیں۔ جو آقائے نامدار ﷺ نے تعلیم فرمائی ہیں تو پھر یہی دنیوی زندگی آخرت کی زندگی بن جاتی ہے۔ لوگ اسی زمین پہ رہتے ہیں۔ لوگ اس فضا میں رہتے ہیں۔ علامہ اقبال نے کہا تھا۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

دونوں ایک فضا میں اڑتے ہیں' کرگس مُردار تلاش کرتا ہے جبکہ شاہین شکار تلاش کرتا ہے۔ فضا ایک ہے' زمین ایک ہے' ماحول ایک ہے' دونوں ایک سے پرندے ہیں' دونوں ایک فضا میں پر پھیلائے تیر رہے ہیں۔

پرواز ہے دونوں کی اس ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

کرگس کی زندگی کا مقصد حیات ہی مردار تلاش کرنا اور پیٹ بھرنا ہے جبکہ شاہین زندہ شکار کی تلاش میں سرگرداں ہے یعنی اُس کی زندگی بالکل الگ ہے اور اس کی زندگی بالکل الگ ہے۔ اسی طرح نیک و بد' مومن و کافر اس سورج کی دھوپ میں' اس چاند تاروں میں' انہی راتوں کے سائے میں' اسی زمین پر' اس ابرو باراں میں رہتے اور بستے ہیں لیکن مومن کا جہاں اور ہے کافر کا جہاں اور۔

مومن وہ ہے جو اس دنیا کی زندگی کو

آخرت کی زندگی بنا کر جیتا ہے۔ انسان ہے بتقاضائے بشیریت اُس سے بھول چوک بھی ہو سکتی ہے۔بتقاضائے بشیرعت اُس سے خطا بھی ہوسکتی ہے۔کوتاہی بھی ہوسکتی ہے' اس ساری لغزشوں کومعاف کرنے کے لئے اُس کی رحمت کافی ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بارگاہ نبوی ﷺ میں یہ شکایت کی کہ یارسول اللہ ﷺ جب آپ ﷺ کی خدمت عالیہ میں ہوتے ہیں تو کیفیت اور ہی ہوتی ہے' ایک دوسرا عالم ہوتا ہے۔ جب گھروں میں جاتے ہیں' کاروبار میں' اپنے کام کاج میں' مصروف ہوتے ہیں تو وہ کیفیت قائم نہیں رہتی۔ کچھ حصہ مصروفیات کا ہماری توجہ بانٹ لیتا ہے۔بعض اوقات کوتاہی ہو جاتی ہے' غلطی ہو جاتی ہے' آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کو یہ بات بڑی پسند ہے کہ بندہ اُس کے ساتھ اپنا رشتہ رکھے اور جہاں کوتاہی یا سستی ہو جائے وہاں پھر اُس کی رحمت اور شفقت طلب کرے' مغفرت طلب کرے' اور اپنا رشتہ اُس کے ساتھ مضبوط رکھے اگرتم سے خطا ہوتی نہیں، بھول چوک بھی نہ ہوتو اللہ تمہیں اٹھالے اور تمہاری جگہ پھر کوئی دوسری مخلوق پیدا کر دے جو ہر وقت اُسے یاد کرتی رہے۔اُس کی مدد کو پکارتی رہے۔اُس کی بخشش مانگتی رہے۔اُس کی مغفرت طلب کرتی رہے۔تو یہ انسانی زندگی کا خاصہ ہے کہ کبھی سستی ہو گئی' کبھی بھول چوک ہوگئی۔لیکن وہ بھول اُسے ایک درد دے جو اُس کے دل سے اٹھے کہ یہ نہیں ہونی چاہئے تھی اور اُسے قرب الٰہی نصیب ہو اللہ کے حضور رو رو کے مغفرت کی دعا کرے اور رب العلمین کے قریب ہوجائے تو یہ زندگی یہی کمانا' کھانا' یہی سیاست' یہی حکومت' یہی تجارت' یہی زراعت' یہ ملازمت' یہ سارا کچھ عبادت اور یہ زندگی آخرت کی زندگی بن جاتی ہے۔سو وہی یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر زندگی کو آپ آخرت سے الگ کردیں۔آخرت کا تصور چھوڑ دیں جس

> **محض دنیوی لذات کے لئے اللہ سے اللہ کے احکام سے اللہ کے رسول ﷺ سے ہم نے اپنے آپ کو الگ کر لیا تو یہ ظلم ہوگا۔**

طرح کفار کے پاس آخرت کا تصور نہیں ہے یہ ضروری نہیں کہ کافر سارے بُرے کام ہی کرتے ہیں' اچھے کام بھی کرتے ہیں۔لیکن وہ اچھائی' آخرت کے لئے نہیں کرتے' دنیا ہی کے فائدے کے لئے کرتے ہیں اور انہیں دنیا کا فائدہ مل جاتا ہے یہ تو سکہ ہے۔ یہ جو سانسیں ہماری چل رہی ہیں یہ ایک سکہ ہے۔بازار سجا ہوا ہے ہم اُس میں اس کو خرچ کرتے ہیں اور مانتے ہیں۔آپ دکان دار کے پاس جاتے ہیں سکہ دیتے ہیں آپ چینی مانگتے ہیں' وہ آپ کو غلہ نہیں دے گا۔آپ کا سکہ وہ رکھ لے گا آپ کو چینی دے دے گا۔اب اگر ایک بارگاہ الٰہی میں وقت تو گزار رہا ہے' اللہ کی دی ہوئی زندگی کو تو خرچ کر رہا ہے لیکن مقصد دنیوی لذات ہیں اُسے آخرت کیسے ملے گی؟ وہ تو جو کچھ خرید رہا ہے وہی ملے گا۔لیکن بڑے مزے کی بات ہے کہ جو لوگ آخرت طلب کرتے ہیں تو جب تک یہ حیات ہے آخرت اس میں ہے کہ اللہ انہیں یہاں ایسی توفیق دے دیتا ہے جس سے یہ زندگی بھی مزے دار ہو جاتی ہے اور آخرت بھی مل جاتی ہے۔

قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے جو صرف دنیا مانگتے ہیں انہیں دنیا ملتی نہیں' اور زندہ رہنے کے لئے گزارہ ملتا رہتا ہے۔اور جو آخرت مانگتے ہیں اُن کو ہم آخرت بھی دیتے ہیں دنیا بھی دیتے ہیں جب تک زندگی سے رشتہ قائم ہے' جب تک موت نہیں آتی' تب تک آخرت کا مدار اسی زندگی کے اعمال وکردار اور افعال پر ہے تو جب وہ سُدھر جاتے ہیں تو آدمی کو نہ صرف آرام ملتا ہے' نہ صرف آبرو ملتی ہے' نہ صرف احترام ملتا ہے' بلکہ قرب الٰہی کی لذت اس پہ مزید بڑھ جاتی ہے اور یہی دنیا کی زندگی' یہی خوراک' یہی کھانا پینا' یہی سفر' یہی اٹھنا بیٹھنا' یہی لباس' اُسے ایسی پُرآسائش' پُرسکون اور مزے دار زندگی عطا کرتا ہے جس کے بارے دنیادار سوچ نہیں سکتا۔اگر آخرت کو الگ کردیں صرف دنیا ہو تو نہ اچھے کھانے راحت دیتے ہیں' نہ اچھا لباس راحت دیتا ہے' بلکہ افکار پریشاں اُس کے حصے میں آتے ہیں اور وہ جس حیثیت میں بھی ہو ہمہ وقت پریشانی اُس کا مقصد بنی رہتی ہے۔ہوتا یہ ہے کہ کسی بھی چیز کو اُس کی اصل جگہ سے ہٹا دیا

جائے اللہ کریم فرماتے ہیں۔

وما ظلمنهم ولكن كانوا انفسهم يظلمون ٥ ہم نے اُن سے ظلم نہیں کیا وہ اپنے آپ سے خود ظلم کرتے ہیں۔ ظلم کا معنیٰ عربی میں ہے **وضع الشیئی فی غیر** ۔ کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اُس کا مقام نہ ہو یہ ظلم ہے۔ اب آپ گاڑی کا پہیہ نکال کر چھت پر رکھ دیں تو یہ ظلم کہلائے گا۔ پہیے کا مقام جہاں ہے وہاں ہوگا تو کام کرے گا۔ اگر اُسے اکھیڑ کر اسے گاڑی کے اندر رکھ دیتے ہیں تو اُس کے بغیر گاڑی نہیں چلے گی' پریشانی پیدا ہو جائے گی' اس طرح کسی بھی چیز کو آپ اُس کی اصل جگہ سے ہٹا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیتے ہیں تو مشکلات پیدا کرے گی اور اسی کو ظلم کہتے ہیں۔ جب اس زندگی کو جو زندگی ہمیں آخرت کے لئے دی گئی۔ دنیا میں ہمیں بھیجا اس لئے گیا کہ ہم دنیا کو استعمال کریں دنیا میں اچھے طریقے سے رہیں۔ اللہ کی نعمتیں کھائیں' **خلق لكم ما فی الارض جميعاً** ۔ زمین میں جو کچھ ہے تمہاری خدمت کی خاطر اور تواضع کے لئے ہے۔ تمہیں بھی اللہ نے زندگی دی ہے' حیوان کو بھی زندگی اُس نے دی لیکن تمہیں اختیار دے دیا تم اُس کی گردن پہ چھری چلاتے ہو' اپنی لذت کام و دہن بناتے ہو' اُس کا گوشت پکا کر کھاتے ہو۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اُس کی جان گئی اور آپ نے اُس کی گردن بھی کاٹی، گوشت بھی کھایا اور آپ کو ثواب بھی ہوا۔ اس لئے کہ آپ نے محض جانور کو مارا نہیں' احکامِ الٰہی کا خیال رکھا اللہ کے نام پر تکبیر پڑھی' ضرورت کے مطابق اُسے مناسب جگہ پہنچایا۔ تو محض جانور مارنے کی بات نہیں تھی جو اجازت اللہ نے دی آپ نے اُس کے مطابق اللہ کے حکم کی اطاعت کی اور یہ عبادت قرار پائی۔

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

آپ نے اُس کے چمڑے کے جوتے بنا لئے اور آپ کو ثواب بھی ملا۔ کیوں آپ کو اللہ نے یہ عظمت دی ہے کہ آپ یہ زندگی اُس کے

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ محتاج کا تھوڑا خرچ کرنا غنی کے بہت زیادہ خرچ کرنے سے بہت زیادہ درجہ لے جاتا ہے۔

دامانِ رحمت کے سائے میں جئیں اُس کے ساتھ جئیں۔ اور جب آپ اللہ کے ساتھ جیتے ہیں۔ ہر کام میں اللہ کی اجازت اور حکم درکار ہے تو یہی زندگی ہے۔

لهی الحیوان۔ یہ زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ اصل زندگی یہی ہے' لذت اس میں ہے' مزا اس جینے میں ہے۔ اور اگر اسے آخرت سے الگ کر لیں تو اس کا مطلب ہے کہ زندگی کو جس طرح جینا تھا اُس جگہ سے اٹھا کر کسی دوسری جگہ رکھ دیا گیا۔ محض دنیوی لذات کے لئے اللہ سے' اللہ کے احکام سے' اللہ کے رسول ﷺ سے' ہم نے الگ کر لیا تو یہ ظلم ہوگا۔ یعنی چیز کو جہاں ہونا چاہئے تھا وہاں سے الگ کر کے دوسری جگہ رکھ لیا اور ظلم جو ہے اُس کا نتیجہ آرام تو نہیں ہوتا پھر وہ ایک کھیل تماشہ بن گئی' کھیل تماشے میں کیا ہوتا ہے؟ کوئی بڑا کھیل ہوا' اچھا ہوا' چھوٹا ہوا' چند لمحے ہوتا ہے' کھیل ختم ہو گیا بات ختم ہو گئی۔ حقائق سامنے آ جاتے ہیں۔ ایک کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے اُس میں ایک امیر بھی تالیاں بجا رہا ہے' ایک غریب بھی تالیاں بجا رہا ہے' جتنی دیر میچ ہو رہا ہے شاید دونوں سیٹیاں مار رہے ہیں' جھنڈے اٹھا رہے ہیں' نعرے لگا رہے ہیں میچ ختم ہو گیا ہر کوئی واپس اپنی حیثیت پہ جائے گا۔ پھر جب یہ زندگی آخرت سے کٹ جاتی ہے تو یہ وہی ایک کھیل کا میدان ہے جس میں آپ اچھل کود رہے ہیں۔ کھیل ختم ہوگا موت آئے گی تو آپ کو پتہ چل جائے گا کہ آپ نے تو اپنی جگہ ہی نہیں بنائی۔ کوئی گھر ٹھکانہ نہیں ہے تو کم از کم آوارہ گردی ہی میں جیل جاؤ گے۔ آخرت میں تو فٹ پاتھوں پہ کوئی نہیں رہنے دے گا۔ مانگ کر کوئی نہیں کھانے دے گا۔ یا اپنا گھر ہوگا یا جیل ہوگی تو جب جیل میں جاتے ہیں تو اللہ فرماتا ہے میں نے تو ان کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی' میں نے تو انہیں غلط جگہ نہیں پہنچایا۔ اس سے ظلم نہیں کیا۔

ولكن كانوا انفسهم يظلمون۔ انہوں نے اپنے آپ پر خود ظلم توڑا کہ زندگی کو جہاں جینا تھا وہاں نہیں جیے۔ ایک امیر آدمی اللہ کی راہ میں کروڑوں خرچ کر دیتا ہے۔ ایک غریب جس کی آمدن آٹھ آنے ہے وہ شاید ایک آنہ خرچ

کر دیتا ہے۔ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ محتاج کا تھوڑا خرچ کرنا غنی کے بہت زیادہ خرچ کرنے سے بہت زیادہ درجہ لے جاتا ہے۔ چونکہ وہاں تو جذبہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ اللہ کے کتنا قریب ہے؟ اللہ کی رضا کا کتنا طالب ہے؟ کتنا اللہ کو خوش رکھنا چاہتا ہے؟ اُسے تو دولت کی احتیاج نہیں ہے۔ سب سے قیمتی چیز جو ہمارے پاس ہے دولت سے بھی زیادہ قیمتی، سونے چاندی زروجواہر سے قیمتی، وہ ہماری زندگی ہماری سانسیں ہیں۔ آخرت کی زندگی یہ ہے کہ ہر سانس کو اللہ کے ساتھ جیا جائے۔

میں فتویٰ مہر یہ دیکھ رہا تھا پیر مہر علی شاہؒ گولڑے شریف والے کے فتوے انہوں نے جمع کئے ہیں تو اُس میں وہ لکھتے ہیں کہ ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ اگر تکبیر پڑھنے سے پہلے بندے کو خیال نہیں آیا یا کسی سے بات کرنے لگ گیا اُدھر چھری چلا دی جانور زخمی تھا۔ اُس کے تکبیر پڑھنے سے پہلے اُس کی جان نکل گئی پھر اُس نے چھری تو پھیر دی۔

جتنی سانسیں یہ لیتا ہے اور جس دم میں یاد الٰہی نہیں ہے اللہ کا نام شامل نہیں ہے اس لئے صوفیا کہتے ہیں۔

جو دم غافل سو دم کافر

یعنی اصل زندگی اصل معیار تو یہ دل کی دھڑکن ہے۔ یہ سانس کی آمدوشد ہے۔ اور سوچوں کی بنیاد بھی یہی دل کی دھڑکن ہے۔ افکار کی بنیاد کردار کی بنیاد عمل کی بنیاد بھی یہی ہے اگر دھڑکن دھڑکن میں اللہ بس جائے سانس کی آمدوشد میں اللہ بس جائے اور یہی قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔

واذکرو اللّٰہ ذکراً کثیراً۔ اتنی بار دل نہ دھڑکے اتنی بار سانس نہ آئے، جتنی بار تم اللہ کا نام لو۔ کثیر تو تب ہی ہوگا۔ کہ دوسرے کام سے زیادہ ہو اور دل کا دھڑکنا بھی تو ایک کام ہے اور قرآن فرماتا ہے کہ دل کی دھڑکن سے زیادہ اللہ کا نام ہو۔

آخرت کی زندگی یہ ہے کہ ہر سانس کو اللہ کے ساتھ جیا جائے۔

میں نے حضرت رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ سے یہ بات پوچھی۔ میں نے کہا حضرت رحمۃ اللہ علیہ یہ دل جب ایک بار دھڑکتا ہے تو ایک بار اللہ کہہ سکتا ہے۔ یا ہم سانس لیتے ہیں تو اُس میں اللہ کہہ سکتے ہیں ایک ایک سانس لیا ایک ہی بار فرمایا نہیں، ایسا نہیں ہے جب دل ذاکر ہوتا ہے تو کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ دھڑکتا ایک بار ہے اور اللہ اللہ پانچ سو بار کر جاتا ہے۔ جب دل ذاکر ہوتا ہے تو وہ آپ کی سانسوں کا محتاج نہیں ہوتا، آپ کی زبان کا محتاج نہیں ہوتا، اُس کی اپنی زبان ہے۔ اُس کی اپنی سانسیں ہیں۔ اُس کی اپنی حیات ہے اور عین ممکن ہے کہ ایک دھڑکن میں وہ پانچ سو بار اللہ اللہ کر جائے اور یہی ذکر کثیر سے مراد ہے۔ تو دلوں کو اس طرح ذاکر کر لو کہ دھڑکے ایک بار اور اللہ کا نام پانچ سو بار دُہرا جائے۔ تا کہ جو زندگی کی اساس ہے اُس میں عظمت الٰہی سمو جائے۔ جب وہ سوچے اُس کے دل میں سوچ آئے تو اُس کے ساتھ اللہ کی عظمت بھی موجود ہوگی کہ جو میں سوچ رہا ہوں اس پر اللہ کریم راضی ہوں گے یا خفا تو نہیں ہو جائیں گے۔ جو میں کرنے چلا ہوں کیا یہ نبی کریم ﷺ کے سامنے میں کروں تو آپ ﷺ پسند فرمائیں گے اور اگر یہ چیز نہ ہو تو پھر دنیا کی زندگی دنیا کے لئے رہ جاتی ہے۔ دولت مل جائے، موج کر لیں، عیش کر لیں، حکومت کر لیں یہ ہو وہ ہو تو فرمایا۔

وما ھذہ الحیوۃ الدنیا الا لھو ولعب ○ یہ سب کھیل تماشہ ہے اگر دنیا کو آخرت سے الگ کر لیا جائے تو محض ایک تماشا ہے۔ ایک کھیل ہے، جب تک کھیل کے میدان میں تالیاں پیٹتے رہیں۔ کھیل ختم ہو جائے تو آپ کو اپنے اصل گھر کی طرف لوٹنا ہوگا لیکن اس کو جب ہم آخرت کے لئے جیتے ہیں آخرت کی زندگی بنا کر جیتے ہیں تو فرمایا۔

وان الدار الاخیرۃ لھی الحیوان۔ تو اس جینے کا مزا آ جاتا ہے یہی زندگی ہے۔ تو یہ دنیوی زندگی اور اُخروی زندگی دونوں بندہ یہیں جیتا ہے۔

پروا ز ہے دونوں کی اس ایک فضا میں
ایک ہی جہان میں، ایک ہی دھوپ

چھاؤں میں' زندہ ہیں لیکن دو الگ الگ زندگیاں جی رہے ہیں ایک محض دنیا جی رہا ہے اور دوسرا دنیا بھی جی رہا ہے آخرت بھی جی رہا ہے۔ کام وہ بھی وہی دنیا کے کرتا ہے۔ حصول رزق کے لئے محنت کرتا ہے۔ یہ بھی وہی کرتا ہے۔ وہ بھی کھاتا پیتا' سوتا جاگتا ہے یہ بھی کھاتا پیتا سوتا ہے۔ وہ بھی دوستیاں دشمنیاں پالتا ہے یہ بھی دوستیاں دشمنیاں پالتا ہے لیکن اس ایک ماحول ایک فضا میں دونوں کے جہاں الگ الگ ہیں۔ زندگیاں الگ الگ ہیں۔ کیفیات الگ الگ ہیں۔ اور اُن پر نتائج الگ الگ ہیں اور فرمایا لو کانو یعلمون. کاش لوگوں کے پاس علم ہوتا۔ بہت کتابیں پڑھنا ہی علم نہیں ہے۔ بہت باتیں کرنا ہی علم نہیں ہے۔ علم کی اساس ہے عظمت الٰہی کی پہچان کا ہونا۔ علم کی بنیاد ہے محمد رسول اللہ ﷺ سے تعلق کا قائم ہونا اور یہ ہو جائے تو اسی زندگی کو اسی جہان کو جنت بنا دیتا ہے۔ دنیا داروں کی نظر میں دنیا کے مصائب کے پہاڑ گزر جاتے ہیں لیکن اللہ کے بندوں سے پوچھو تو انہیں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ •

مکہ مکرمہ میں کونسی مصیبت تھی جو صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر نہ ٹوٹی۔ دنیا کی کونسی تکلیف تھی جسے آقائے نامدار ﷺ نے فیس **Face** نہیں کیا۔ آپ ﷺ نے جس کا مقابلہ نہیں کیا ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر مصیبتیں آئیں لیکن مجھ پر سب سے زیادہ تکلیفیں آئیں لیکن کیا دنیا کی کوئی تکلیف رسول اللہ ﷺ کو پریشان کر سکی؟ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کوئی ایسا شخص ملتا ہے جو اس سے پریشان ہوا ہو۔ کتنی عجیب بات ہے کہ تیرہ سالہ مکی زندگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس طرف نکلتے' مصیبت پاتے' جدھر نکلتے مار کھاتے۔ جدھر نکلتے تکلیفیں اٹھاتے۔ جدھر نکلتے مذاق اڑایا جاتا۔ غرض ہر پریشانی ان کے لئے تھی لیکن اُن کی کیسی زندگی تھی پوری سیرت میں' پوری تاریخ میں نہیں ملتا کہ کسی ایک صحابی نے عرض کیا ہو کہ یارسول

جب دل ذاکر ہوتا ہے تو کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ دھڑکتا ایک بار ہے اور اللہ اللہ پانچ سو بار کر جاتا ہے۔

اللہ ﷺ ان کے لئے بددعا فرمایئے کہ اللہ انہیں تباہ کر دے۔ ہمیں انہوں نے بہت تنگ کیا ہے۔ کیا ہم نہیں کرتے۔ ذرہ سا دباؤ زندگی پہ پڑے جس طرف سے دباؤ پڑے کہتے ہیں اللہ اسے غارت کرے۔ خدا اسے تباہ کرے۔ کیوں ہماری چیخ نکل جاتی ہے؟ اور وہ جن کی زندگی کو انہوں نے اتنا اذیت ناک بنا دیا۔ گرم لوہے سے داغے گئے' گرم ریت' پر لٹا کر اوپر منوں وزنی چٹانیں رکھی گئیں' مارا پیٹا گیا' گلیوں میں گھسیٹا گیا' تو کیسے عجیب لوگ تھے کہ وہ یہ بھی نہیں کہتے کہ یارسول اللہ ﷺ ان کے لئے بددعا کر دیجئے۔ وہ بھی کہہ اٹھتے اگر اُن کے اندر دکھ ہوتا انہیں دکھ ہوا نہیں بظاہر وہ تکلیف تھی بباطن ان کے لئے وہ لذت آفریں تھی کہ اُس لمحے انہیں مزید قربِ الٰہی نصیب ہو رہا ہے۔

حضرت یاسرؓ اُن کے بیٹے عمارؓ اُن کی اہلیہ اُن کی بیٹی چار بندوں کا خاندان تھا۔ دو تین پشتوں سے غلام آ رہے تھے۔ ابی جہل نے اُن کے مسلمان ہونے کا بہت برا منایا کہ اب یہ جو نسل در نسل غلام آ رہے ہیں یہ بھی ہمارے مقابلے میں اور ہمارے دین کے مقابلے میں آ جائیں گے مکہ مکرمہ کی ایک گلی میں انہیں گھسیٹ کر سب کو لے گئے اور پیٹنا شروع کر دیا اور مار مار کر یہ حال کر دیا کہ جب وہ اُن کو واپس اُن کے مقام میں پھینک کر گئے تو پانی کا گھڑا ابھرا ہوا رکھا تھا لیکن چاروں افراد خانہ میں سے کسی میں ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر دوسرے کو پانی پلا سکے۔ دوسرے دن صبح پھر گھسیٹ کر گلی پر لے گئے اب وہ پیٹ رہے ہیں وہ پٹ رہے ہیں۔ اُدھر سے نبی کریم ﷺ کا گزر ہوا۔ آپ ﷺ نے دیکھا۔ آپ ﷺ کو فرمانا چاہیے تھا کہ بے چاروں سے بڑا ظلم ہو رہا ہے اور انہیں بہت تکلیف ہے فرمایا نہیں۔ آپ ﷺ نے دیکھا اور فرمایا کہ اے آلِ یاسرؓ تم بہت اچھے لوگ ہو' کتنے خوش قسمت ہو' خوش نصیب ہو' ان موعد کم الجنتہ. تمہاری تو تیاری جنت کی لگتی ہے یعنی اس دنیا میں' اسی زندگی میں' موجود ہیں بظاہر دنیا کی تکلیفوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ فاصبروا یا آل

یاسر ؓ. ڈٹے رہو اے آلِ یاسرؓ جس پہ جمے ہوئے ہو جمے رہو ان موعدکم الجنته. تمہارا سفر تو جنت کی طرف ہے۔ تمہاری منزل تو جنت ہے۔ یہ تو تمہیں جنت کی طرف لے جا رہا ہے ابو جہل تمہارا بگاڑ کچھ نہیں رہا۔ تھک کر تنگ آ کر ابو جہل نے حضرت یاسرؓ کی بیوی کی گردن پہ خنجر رکھ کے سینے پہ گھٹنا دبا کر کہا کہ تم میرے لئے ایک بار کہہ دو کہ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے خدا کا انکار کرتی ہوں۔ میری کچھ آبرو رہ جائے۔ میں اتنا تو کہہ سکوں کہ اُس بڑھیا سے تو میں نے کہلوا لیا تھا۔ تو انہوں نے بڑے آرام سے کہا کہ جسے میں روبرو دیکھتی ہوں اُس کا انکار کیسے کر دوں؟ تو بے وقوف ہے۔ تو پاگل ہے۔ جس حقیقت کو بندہ روبرو پائے۔ اُس کا انکار کون آدمی کر سکتا ہے۔ میں کیسے کہہ دوں؟ میں کیسے کہوں کہ میں نہیں مانتی۔ ماننے کا کیا؟ وہ تو میرے پاس میرے روبرو ہے۔ اُس نے انہیں خنجر مارا پھر دو گھوڑے یا اونٹ منگوائے مجھے اب صحیح یاد نہیں ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ ان کی دونوں ٹانگیں الگ الگ جانوروں سے باندھ کر الگ سمت کو دوڑا دیئے اور وجود دو حصوں میں کٹ گیا اور یہ پہلا خون ایک خاتون کا تھا جو اللہ کی خاطر مکہ میں شہید ہوئی۔ اب بظاہر اس سے بڑی تکلیف کیا ہوگی؟ کہ دو جانوروں سے اُس کی دو ٹانگیں باندھ دی جائیں اور جانوروں کو بھگا دیا جائے اور جسم کھچ کر دو حصوں میں کٹ جائے اور ریزہ ریزہ ہو جائے۔ بظاہر تو بہت طوفان ہے لیکن اس کے اندر اُن کے لئے تو راحت تھی، لذت تھی، انہیں جو نظارہ جمال نظر آ رہا تھا وہ تو اُس میں محو تھیں انہیں تو اُس کا خیال بھی نہیں تھا۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

تو بظاہر دنیوی تکالیف جو آتی ہیں اگر رابطہ رب العلمین سے ہو۔ دل میں اللہ بستا ہو دھڑکنوں میں اُس کا نام ہو۔ سانسوں میں اُس کی خوشبو رچی ہو۔ تو جو بظاہر دکھ آتے ہیں بباطن قرب الٰہی کا سبب بن جاتے ہیں۔ وہ بھی اپنی لذتیں چھوڑتے ہیں اور اگر زندگی اس سے کٹ جائے پھر محض ایک تماشہ ہے۔ جسے ہم بڑی عیش و آرام سمجھتے ہیں وہ بھی ایک پریشانی ہوتی ہے اور وہ بھی دل کو پریشان ہی رکھتی ہے۔ حکومت واقتدار مل جائے۔ مال و دولت مل جائے، دنیا کی ساری سہولتیں مل جائیں، لیکن سکون کا لمحہ نصیب نہیں ہوتا۔ تو بات سمجھنے کی ہے قرآن کریم نے نکتہ آفریں جملہ ارشاد فرمایا کہ اگر دنیا کی زندگی کو دنیا کے لئے جیو گے تو محض ایک تماشہ ہے اس کو اگر آخرت کے لئے جیو گے تو لھی الحیوان. تو پھر زندگی کا جینے کا مزا آجائے گا پھر موت بھی اپنا مزا دے گی اور مابعد الموت کی زندگی بھی مزے دار ہو جائے گی۔

فرمایا! الموت جسر، یوصل الحبیب الی الحبیب. موت بھی بھلا کوئی ڈرنے کی چیز ہے موت ہی تو وہ پُل ہے جو محبوب کے قدموں میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ اُن لوگوں کا جملہ ہے جو زندگی کو آخرت کیلئے جیتے ہیں۔ اللہ کریم ہماری کوتاہیوں، خطاؤں، لغزشوں سے درگزر فرمائے اور ہمیں اپنے حبیب ﷺ کی اطاعت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کاش لوگوں کے پاس علم ہوتا۔ بہت کتابیں پڑھنا ہی علم نہیں ہے۔ بہت باتیں کرنا ہی علم نہیں ہے۔ علم کی اساس ہے عظمت الٰہی کی پہچان کا ہونا۔

دعائے مغفرت

☆......سلسلہ عالیہ کے ساتھی چوہدری اکبر علی کی والدہ قضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......ندیم اختر (فیصل آباد) کے ماموں افتخار احمد قضائے الٰہی سے انتقال کر گئے ہیں ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆......رانا شوکت حیات خاں (فیصل آباد) کی دادی جان قضائے الٰہی سے انتقال کر گئی ہیں دوست احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ ☆☆☆☆☆☆

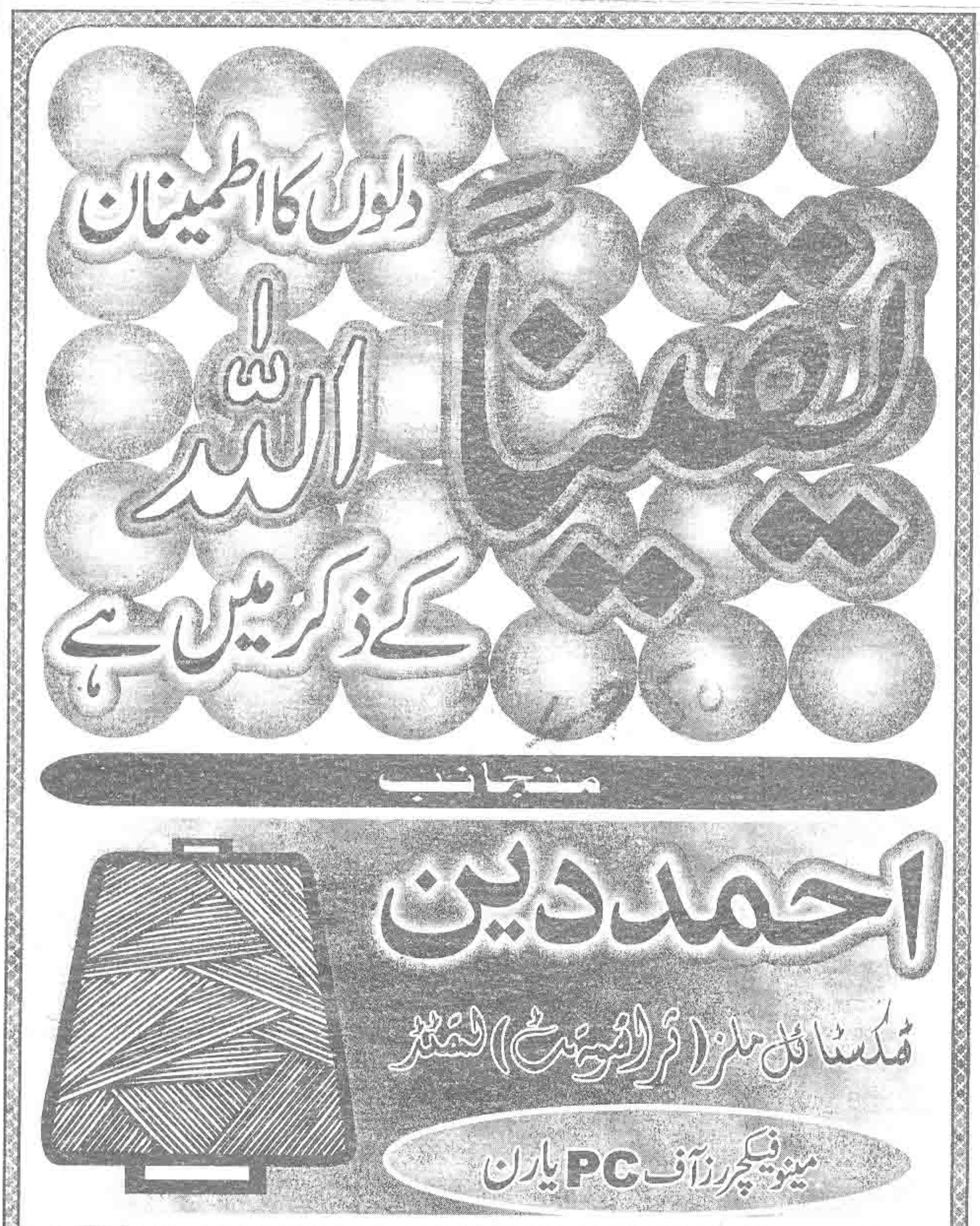
دلوں کا اطمینان
یقیناً
اللہ
کے ذکر میں ہے
منجانب
احمد دین
ٹیکسٹائل ملز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
مینوفیکچرز آف PC یارن
ہیڈ آفس
برائے رابطہ:- پل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد
667571
667572

مِنَ الظُّلمٰتِ اِلَی النُّور

عبدالعظیم خان

الحمدللہ۔ اللہ کریم نے بچپن ہی سے دین دار ماحول نصیب فرمایا تھا۔ 1955ء کی بات ہے نویں جماعت میں تھا رات کے دس بج چکے تھے۔ والدہ (مرحومہ) اپنے وظائف میں مشغول تھیں میں نے عشا کی نماز بوجہ مطالعہ لیٹ کر دی تھی۔ سردی تھی نیند کا غلبہ ہوا۔ آہستگی کے ساتھ بستر میں دبک گیا۔ مگر والدہ صاحبہ نے یہ پہلی سستی بھی معاف نہ کی۔ ایک دو آوازوں کے بعد اچانک میرے اوپر سے رضائی اتار دی۔ بہت یقین دلایا کہ ایک منٹ بعد نماز کی طرف آ رہا ہوں مگر والدہ نے ایک نہ مانی شلوار قمیض پھاڑ دی بغیر کپڑوں کے دھکا دے کر گلی میں نکال دیا بڑی مشکل سے دخول ممکن ہو سکا ماموں جان حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ والدہ حضرت مولانا احمد علیؒ لاہوری سے بیعت ہوئیں مجھے بھی عرصہ دراز تک مولانا کی جوتیاں سیدھی کرنے کا شرف ملا۔ البتہ تعلق 1967ء میں حضرت عبداللہ درخواستی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت ہوا۔ تقریباً 1956ء سے تبلیغی جماعت سے منسلک ہو گیا۔

1980-81ء میں ایک سہ روزہ کے دوران ایک ساتھی کو ذکر کرتے دیکھا۔ طبیعت پریشان ہوئی کہ اسے کیا ہو گیا پتہ چلا کہ ذکر کر رہا تھا۔ پھر چند ہی دنوں کے بعد ایک ساتھی کرم الٰہی صاحب کو تہجد کے وقت سرکاری ڈیوٹی کے دوران ضربیں لگاتے دیکھا ایک دو دفعہ آزمائشی ضربیں میں نے بھی لگا لیں۔ پھر کیا تھا محترم حیدر زمان صاحب کو میرا گھر دکھا دیا گیا۔ انہوں نے میرے گھر آ کر ذکر کرانا شروع کر دیا۔ اور پھر بیعت کا ذریعہ بھی وہی بنے۔ 1982ء ہی میں ویگن واہ سے چکڑالہ آ رہی تھی مجھے فرنٹ سیٹ پر میجر احمد خان صاحبؒ امیر علاقہ کے ساتھ سفر کرنے کا موقع ملا یہ دورانیہ اُن کی وفات تک انتہائی گہری دوستی کا سبب بن گیا۔ بہر حال صبح کو حضرت مولانا اللہ یار خان صاحبؒ کی خدمت میں حاضری دی۔ مجلس کے اختتام پر حیدر زمان صاحب نے مجھے روک لیا۔ حتیٰ کہ ساری مجلس برخاست ہونے پر حضرت جیؒ حیدر زمان صاحب اور بندہ کمرے میں بیٹھے رہ گئے۔ حضرت جیؒ سے قریب تر ہونے پر حیدر زمان صاحب نے تعارف کرایا۔ کریم ذاتؒ نے مجھے اپنے سامنے دوزانو بیٹھنے کو ارشاد فرمایا۔ مجھے تو پسینے آ گئے۔ پھر فرمایا صوفی صاحب سر سے ٹوپی اُتار دو اور قمیض کے بٹن کھول دو۔ پھر ایک ہاتھ میرے سر پر رکھا اور دوسرا میرے گریبان کے اندر لے جا کر میرے دل پر رکھا۔ پھر دیر تک کچھ پڑھتے رہے میرے اوپر دم کیا اور فارغ ہونے پر فرمایا صوفی صاحب کچھ پتہ لگا میں نے عرض کیا ''حضرت ٹھنڈ پڑ گئی'' بعد کی نعمتیں ملنے پر پتہ چلا بلکہ محسوس ہوا کہ یہ سب کچھ اُس چکڑالے والی عطا کا نتیجہ ہے۔ اب تو زیادہ وقت میجر احمد خان صاحب اور محترم حیدر زمان صاحب کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ حضرت جیؒ کی وفات کے بعد شاید اپریل 1984ء میں حضرت مولانا محمد اکرم

میرے اوپر دم کیا اور فارغ ہونے پر فرمایا صوفی صاحب کچھ پتہ لگا میں نے عرض کیا ''حضرت ٹھنڈ پڑ گئی''

اعوان صاحب کے دست اقدس پر (تجدید بیعت کے دوران) سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کی بیعت کی توفیق ملی۔ کیونکہ میں سب سے آخری شخص تھا جو آخر میں بیعت ہوا اس لئے مسجد چکڑالہ میں نعرہ تکبیر بلند ہوا اور حیدر زمان صاحب سمیت سب ساتھیوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ زندگی کی گوناگوں مصروفیتوں کے ساتھ ساتھ اب محض اللہ کریم کے کرم کی بنا پر سلسلہ عالیہ کی ذمہ داریاں بھی نبھانا پڑتی تھیں لیکن پیچھے نہیں ہٹا۔ حتیٰ کہ 1984ء کے آواخر میں مدینہ منورہ کی طویل حاضری کے بعد اجتماع کے آخری عشرہ میں دارالعرفان حاضری دی۔ اور الحمدللہ شرف روحانی بیعت حاصل کیا۔ اور بعد ازاں شیخ المکرّم مدظلہ اور اکابرین کی خصوصی شفقت اور توجہ نے پتہ نہیں کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ شیخ المکرّم اور حضرت جیؒ کی ویڈیو فلم کی تیاری کے دوران حضرت کی پجارو میں وہ تمام مقامات دیکھنے کا موقع ملا جو عام ساتھیوں کے لئے صرف اب کتابوں میں ہیں۔ بلکہ حضرت جیؒ نے خوب کھل کر اپنے پرانے گھروں میں اور زمینوں پر اپنی شفقت کا اظہار فرمایا بلکہ منارہ میں جب میں نے حضرت کے اندرون جاتے میں ہچکچاہٹ ظاہر کی تو اپنے دست مبارک میں لسی کا پیالہ لاکر مجھے نوش کرایا۔ الحمدللہ سلسلہ عالیہ میں آنے کے بعد میرے اندر دو خصوصی تبدیلیاں آئیں۔ ایک تہجد اور اوابین کی پابندی دوسرے اہتمام ذکر۔

حضرت جی مدظلہ العالی کی مسلسل تگ ودو نے دل میں ایک تمنا پیدا کردی ہے کہ یااللہ! مرنے سے پہلے پاکستان میں اسلامی قانون کی حکمرانی دکھادے۔" اسی سلسلہ میں دسمبر ۲۰۰۰ء میں یکم رمضان کو ہزاروں ساتھی اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلہ میں حضرت جی مدظلہ کے حکم پر میدان عمل میں اُترے تھے۔ اللہ کریم کے فضل سے اس ناچیز کو حلقہ" راولپنڈی ڈویژن اور شمالی علاقہ جات" کے ایریا میں خیمہ بستی میں سب سے پہلا خیمہ نصب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی مگر خدا کی مرضی کہ شہادت حاصل نہ ہوئی اور غازی بن کر شیخ المکرم کی دعاؤں کے ساتھ بھاری قدموں سے گھروں کو روانہ ہوئے۔ انشاء اللہ اسلام کے نفاذ کے سلسلہ میں جب بھی کوئی Call ملی تو شیخ المکرّم مدظلہ العالی کو مایوس نہ کریں گے۔ بلکہ دست وبازو بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین ثم آمین

سلسلہ عالیہ میں آنے کے بعد میرے اندر دو خصوصی تبدیلیاں آئیں۔ ایک تہجد اور اوابین کی پابندی دوسرے اہتمام ذکر۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

معیت باری

"حضرت ابوہریرہؓ حضور اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے اور میرے ذکر کے لئے اس کے لب حرکت میں آتے ہیں"

پہلی بات یہ ہے کہ یہ حدیث قدسی ہے کہ بات بھی اللہ کی اور لفظ بھی اسی کے اس لئے اس کی اہمیت فضیلت اور شرف ظاہر ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ذاکر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت کی بشارت دی ہے معیت باری کئی قسم کی ہوتی ہے ایک معیت علمی جو اللہ تعالیٰ کو تمام مخلوق سے ہے۔ اس میں کسی نوع یا جنس کی تخصیص نہیں۔

دوسری معیت انسانوں میں سے خاص بندوں کے ساتھ ہے جو انسانوں کے کسی ایسے عمل کی وجہ سے ہوتی ہے جو اللہ کو بہت پسند ہوتا ہے ذکر الٰہی وہ عمل ہے جو اللہ کو بہت محبوب ہے اس معیت سے اللہ کی طرف سے توفیق عمل، اعانت، رحمت اور رعایت ظاہر ہوتی ہے۔

پھر معیت کے ساتھ عبدی فرمانا اور عبد کی اضافت اپنی طرف فرمانا اہل ذکر کے شرف کو ظاہر کرتا ہے انا مع عبد کی نسبت انا مع عبدی میں ایک خصوصیت اور شرف کا بیان ہے بندے تو سب ہیں مگر اس کے بندے وہی ہیں جن کے متعلق وہ خود کہے کہ "یہ میرے بندے ہیں" جن کے متعلق ابلیس کے چیلنج کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ یعنی "بندوں" کا شکار تو بے شک کرے گا مگر "میرے بندے" تیرے جال میں نہیں آئیں گے اس لئے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر الٰہی ایسا عمل ہے کہ اس کی وجہ سے بندے کو وہ شرف حاصل ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی نسبت اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے۔ بندے کی قسمت اور سعادت کا کیا کہنا خالق کائنات "میرا بندہ" کہہ کر یاد فرمائے۔☆☆☆

بابے جسم اور خیال کا کلا

جو شخص اپنے خیال پر حاوی ہو جائے اور خیال اس کے تصور کی گرفت میں آ جائے اور انسان یہ جان لے کر Mind over matter کیسے ورک کرتا ہے' تو یہ ساری مشکلات جو روز ہمیں پیش آتی رہتی ہیں اور ہم ہاتھی جتنا ڈیل ڈول لے کر اپنے ''کلے'' سے ڈرتے رہتے ہیں' جو ایک فٹ کا بھی نہیں ہوتا اور ساری مشکلات لپیٹ کے ایک طرف رکھ دیتا ہے۔☆☆☆☆☆

دانشور اشفاق احمد

یہ سوال میری روح اور میرے ذہن کے ساتھ اکثر ٹکراتا ہے' جس میں لوگ اکثر پوچھتے ہیں کہ آپ ''بابوں'' کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمیں تو ''بابے'' کہیں ملتے نہیں ہیں' اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک اچھی' اونچی کرسی لگا کر گھر میں بیٹھے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی بابا پکڑ کے لاؤ اور ہماری خدمت میں پیش کرو' ایسے تو نہیں ہوتا ہے۔ اس کے لئے تو کچھ مختلف جدوجہد کرنا پڑتی ہے۔ جیسے آپ دوسرے کاموں کے لئے کرتے ہیں۔ میں اب لوٹ کر بہت پیچھے کی طرف جا رہا ہوں۔ میری عمر میں پہنچ کر پرانی باتیں زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد آتی ہیں اور کل کیا کھایا تھا' یہ یاد نہیں رہتا۔ مثلاً میں راستے میں سوچتا آ رہا تھا کہ اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ کل کیا کھایا تھا' تو عین ٹی وی کے دروازے پر پہنچ کے یاد آیا کہ آلو مٹر کھائے تھے۔ لیکن زیادہ پرانی باتیں مکمل وضاحت اور تفصیل کے ساتھ یاد ہیں۔

میرا گاؤں' گاؤں نہیں بلکہ ایک قصبہ تھا' جس کی آبادی کوئی پچیس ہزار کے قریب تھی۔ وہاں ہم رہتے تھے' لیکن وہ پچیس ہزار کا قصبہ جنوری کے مہینے میں دس تاریخ کے بعد تین لاکھ کا قصبہ بن جاتا تھا' وہاں ایک میلہ لگتا تھا۔ اسے ہم ''ماڈھی'' کا میلہ کہتے تھے۔ جنوری کی دس' بارہ' تیرہ' چودہ اور پندرہ تاریخ کو ضلع سے پولیس آتی تھی۔ دور دور سے تماشے کے لئے تھیٹر آتے تھے' جو اپنی زندگی میں' میں نے دیکھے اور ان سے بڑا فائدہ اٹھایا کہ مجھے ڈرامہ لکھنا آنے لگا۔ وہ تھیٹر اور طرح کے ہوتے تھے' لیکن ان کے پس منظر میں وہ سب کچھ ہوتا تھا' جو پرانے پارسی تھیٹروں میں تھا۔ اس میلے میں وہ بڑے سرکس آیا کرتے تھے۔ میں چھوٹا تھا اور میری عمر پانچ سال تھی' اس وقت سرکس میں زیادہ دھیان دیتا تھا۔ جانوروں کے ساتھ وابستگی ہوتی تھی۔ وہاں ایک رٹنا بائی گرینڈ سرکس بھی آتا تھا۔ ایک رٹنا بائی بنگالی عورت کرتب بھی کرتی تھی اور اس سرکس کی مالک بھی تھی۔ وہ اتنا بڑا جوڑا کر کے اور پاؤں میں چمڑے کے جوتے، وردی اور ہاتھ میں ہنٹر پکڑے ہوتی تھی۔ اس سے سارے جانور دبکتے تھے۔

اگر مائنڈ طاقتور ہو تو آپ کا جسم آپ کی مرضی کے مطابق عمل کرنے لگے گا آپ کہتے ہیں میں سگریٹ چھوڑ نہیں سکتا۔ سگریٹ چھوڑنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ اپنے آپ کو اپنے خیال پر حاوی کر لو۔

میں نے کوئی ایسا رنگ ماسٹر اپنی پوری زندگی میں نہیں دیکھا' جو شیروں کے ساتھ جا کر پٹاخہ مار کے بات نہ کرے' بلکہ وہ موٹا ''نگا'' وہ ان کے منہ پر مارے اور ان سے کام کرائے۔ رٹنا بائی کے سات ہاتھی تھے' جو بڑے وزنی تھے۔ میں بڑی بہادری کے ساتھ اس کے سامنے جا کر

کھڑا تو ہو گیا، لیکن جب ہاتھی آگے کو جھکا تو میں ڈر کے مارے پیچھے کی طرف ہو گیا۔ میرے ساتھ میرے والد صاحب بھی تھے، جو ویٹرنری ڈاکٹر تھے اور ہاتھی کا ٹمپریچر لینے آئے تھے۔ میرے والد نے مجھ سے کہا کہ اس کی سونڈ پکڑو، لیکن میں ڈرا۔ اس پر میرے باپ نے پوچھا کہ تم اس سے ڈرے کیوں؟ میں نے ان سے کہا کہ میں ڈرا اس لئے ہوں ابو کہ یہ ہاتھی جس "کلے" کے ساتھ باندھا گیا ہے، وہ بڑا کمزور ہے اور میرا خیال ہے کہ زمین میں فٹ ڈیڑھ فٹ سے زیادہ گہرا نہیں ہے۔ یہ اگر زور لگائے تو اسے اکھاڑ پھینکے گا۔ میرے والد نے کہا کہ یہ ایسا کر نہیں سکتا، کیونکہ یہ "کلے" کے ساتھ نہیں بندھا ہوا، یہ اس خیال کے ساتھ بندھا ہوا ہے کہ "کلا" مضبوط ہے۔ اگر یہ اپنے خیال میں تبدیلی لائے تو پھر البتہ یہ ضرور کلے کو اکھاڑ دے گا۔

میں نے کہا ابو اسے یہ خیال کیوں نہیں آتا، تو انہوں نے کہا کہ جب یہ چھوٹا تھا تو اسے اس "کلے" کے ساتھ باندھا گیا۔ اس نے اپنا پورا زور لگایا، پوری طاقت آزمائی تھی، لیکن یہ اسے اکھاڑ نہیں سکا تھا۔ اس جدوجہد میں اس کے تقریباً پانچ چھ سات ماہ گزر گئے، پھر اس نے فیصلہ کر لیا کہ یہ میری طاقت سے اکھڑ نہیں سکتا اور اب وہ اسی خیال اور اندازے پر قائم ہے تاہم وہ بات جب کی تھی اور اب اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد اپنی زندگی کے مشاہدات و تجربات کے بعد یہ تصور میرے ذہن میں ابھرنے لگا کہ ہم خیال سے کس قدر بندھے ہوئے ہیں اور مائنڈ میٹر (جسم) کے اوپر کتنی حکمرانی کر رہا ہے۔

اگر مائنڈ طاقتور ہو تو آپ کا جسم آپ کی مرضی کے مطابق عمل کرنے لگے گا۔ لیکن آپ کہتے ہیں میں سگریٹ چھوڑ نہیں سکتا۔ سگریٹ چھوڑنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ ایک خیال نے آپ کو اس بات کے ساتھ باندھا ہوا ہے۔ میں اپنی نواسی سے کہہ رہا تھا کہ "تو نہ لڑیا کر اپنی سس نال" (آپ اپنی ساس سے نہ لڑا کرو) کہنے لگی، نہیں میں ساس کے ساتھ لڑنے سے رہ نہیں سکتی۔ نانا میرا خیال یہ ہے کہ بس یہ بڑی کمینی عورت ہے۔ میں نے کہا، تو اپنے خیال کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ ساس کے ساتھ بندھ کے دیکھ بڑا مزہ آئے گا۔ اس نے کہا کہ دفع دور میں نہیں بندھتی! زندگی میں اور جتنے مسائل ہیں وہ ایسے ہی ہیں۔

> **میں بہت خوش ہوں کہ میرے خدا نے میرے اوپر بڑا کرم کیا ہے اگر یہ ساری چیزیں، یہ ساری نعمتیں (اندھے ہونا، بہرے ہونا، گونگے ہونا) مجھے نہ ملی ہوتیں تو میں دنیا کی ایک نامور عورت نہ ہوتی**

آپ مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ امریکہ میں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ اس کا نام ہیلن کیلے تھا۔ وہ مادر زاد اندھی تھی اور مادر زاد بہری بھی تھی اور اس طرح پیدائشی گونگی بھی، لیکن وہ ایک صحت مند لڑکی کی طرح پرورش پا رہی تھی۔ وہ ایک عجیب و غریب کیس تھا۔ اس نے یہ تہیہ کیا کہ میں تعلیم حاصل کروں گی۔ اس نے اپنے آپ کو اپنی ذات کو اس "کلے" کے ساتھ نہیں باندھا۔ وہ اب نہ کچھ بیان کر سکتی تھی کہ میں پڑھنا چاہتی ہوں، نہ دیکھ کے بتا سکتی ہے کہ وہ کیا کرنے کی آرزو رکھتی ہے۔ لیکن اس کے اندر یہ طلب پیدا ہوئی اور یہ طلب اتنی شدید ہوئی کہ اس کی ایک سہیلی کی خالہ تھی۔ اس کا بازو اس نے پکڑ کر اس طرح سے دبایا کہ اس خالہ نے محسوس کیا کہ یہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔

پھر ان دونوں نے بڑی مدت کے بعد زور لگا کر ایک Language (زبان) ڈویلپ کی، جو اس کے بدن کو دبا کر بیان کرتی تھی اور وہ اسے سمجھتی تھی۔ ایک بار Ship کا لفظ آیا۔ لیکن اس لڑکی کو شپ یا جہاز کے بارے میں کوئی تصور ہی نہیں تھا کہ یہ کیا چیز ہوتی ہے۔ اس کی استاد نے کہا کہ شپ سمندر میں چلتا ہے۔ اب اسے سمندر کا بھی کوئی پتا نہیں تھا۔ لیکن اس لڑکی نے کہا کہ وہ علم ضرور حاصل کرے گی اور اس کا خیال اس پر حاوی نہیں ہوگا اور میں خیال کو خود پر حاوی ہونے نہیں دوں گی۔ چنانچہ اس لڑکی نے سارا وقت اور ساری توجہ اپنے ذہن کے ساتھ جدوجہد کرنے میں گزار دی اور اپنے مائنڈ کو حکم دیا کہ میرے بدن پر اپنے آپ کو اپلائی کر۔ مجھے وہ علم عطا کر جو دوسرے لوگ اپنی جسمانی ساخت پوری ہونے کے سبب حاصل

کرتے ہیں اور اس نے یہ کیا اور پانچ کتابیں اس نے لکھیں۔

وہ یہاں لاہور بھی آئی تھی پاکستان بننے کے بعد اور ہم بڑی عقیدت کے ساتھ اس سے ملنے گئے تھے۔ وہ بول نہیں سکتی تھی۔ اپنے استادوں کے مخصوص طریقے سے سوالات کے کھٹ کھٹ کر کے مخصوص انداز میں جواب دیتی تھی۔ وہ اپنی آٹو بائیوگرافی میں ایک کمال کی بات لکھتی ہے کہ دیکھو میں بہت خوش ہوں کہ میرے خدا نے میرے اوپر بڑا کرم کیا ہے۔ اگر یہ ساری چیزیں' یہ ساری نعمتیں (اندھے ہونا' بہرے ہونا' گونگے ہونا) مجھے نہ ملی ہوتیں' تو میں دنیا کی ایک نامور عورت نہ ہوتی' بلکہ ایک معمولی سی گھریلو عورت ہوتی۔

اللہ کی نعمت کے کیا کیا روپ ہیں' اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا اور شاباش ہے اس بی بی پر جس نے اسے نعمت کہہ کر پکارا۔ جب آپ کو کوئی خیال پکڑ لیتا ہے اور آپ اس کے تابع ہو جاتے ہیں تو معاملہ گڑبڑ ہوتا ہے۔ میں اکثر کہتا ہوں کہ کبھی کبھی بیٹھ کر جب وقت ملے تو ضرور غور کیا کیجئے کہ آیا مجھ کو کسی "کلے" یا "سنگل" نے پکڑا ہوا ہے' یا کسی خیال نے پکڑا ہوا ہے۔ جب یہ بات آپ کے ذہن میں آ جائے گی' آپ بڑی آسانی سے اپنا مسئلہ خود حل کر لیں گے۔ خیال کی طاقت بڑی طاقت ہوتی ہے۔

پاکستان بننے کے بعد میں کالج میں ایم اے کے چوتھے سال میں پڑھتا تھا۔ ہم سمجھتے تھے کہ اس سال آدمی بڑا لائق فائق اور ذہین ہوتا ہے۔ اس جیسا دنیا میں اور کوئی ہوتا ہی نہیں اور ہم یہی سمجھتے تھے۔ میرے والد اور میرے ماموں کو خاص طور پر میرے ماموں کو اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ میں نماز پڑھا کروں۔ چنانچہ وہ دونوں بیچارے اپنے اپنے طریقے سے کوشش کرتے تھے۔ لیکن میں اپنے خیال میں اتنا پڑھا لکھا تھا کہ میں باقاعدہ دلائل دیتا تھا کہ نماز میں کیا رکھا ہے؟ اللہ کہاں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ جیسے پڑھے لکھے لوگ کہا کرتے ہیں۔

> تفکر کیلئے آپ کو الگ سے
> جیسا کہ اللہ چاہتا ہے کہ
> نمازیں ادا کر چکو تو تب میرا
> ذکر کرو۔ دیکھیے کہ ذکر سے
> مفتی محمد حسن کہاں پہنچ گئے

وہ کچھ کہتے نہیں تھے۔ وہ مجھے پکڑ کر ایک مولوی صاحب کے پاس لے گئے' جو ہمارے شہر لاہور میں نیلا گنبد کی مسجد کے علاقے میں تھے وہ مولوی صاحب وہاں بیٹھے لیکچر دے رہے تھے اور ان کے پاس تین پہیوں کی چیئر تھی۔ وہ چل نہیں سکتے تھے۔ ان کی ایک ٹانگ پر بڑی خوفناک بیماری کا حملہ تھا۔ میرے والد نے کہا کہ جی! یہ میرا بیٹا ہے۔ وہ کہنے لگے ماشاء اللہ بڑا اچھا ہے۔ لائق' ذہین' فطین اور خوبصورت لڑکا ہے۔ میرے والد صاحب نے ان سے مجھے کچھ سمجھانے کا کہا' تو وہ کہنے لگے' نہیں پھر کسی دن آپ لوگ آئیں گے تو تلقین کریں گے۔ آج موقع نہیں ہے اور تلقین زیادہ کرنی بھی نہیں چاہئے۔ یہ آتا رہے' ملتا' ملاتا رہے۔ مجھے ان کی شخصیت نے بڑا متاثر کیا' لیکن میں نے ان کی بات نہیں مانی (نوجوانوں کے پاس کہاں وقت ہوتا ہے' ایسے کام کرنے کا' شرافت کا یا عبادت کا)۔

میں نے کالج میں اپنے دوستوں کو بتایا تو انہوں نے کہا' ناں ناں خبردار! اس چکر میں نہ پھنس جانا۔ ہمیں دنیا بنانی ہے' ترقی کرنی ہے اور ایک ہمارا ساتھی مولوی سے پڑھتا تھا۔ اس نے فوراً ایک آیت قرآنی کا ترجمہ پڑھا "کوشش کرو دنیا کی طرف۔" خیر وقت گزرتا رہا اور میں کبھی کبھی مولوی صاحب کے پاس جا کر ملتا رہا۔ ان مولوی صاحب کا نام تھا مفتی محمد حسن۔ وہ بڑے جید عالم تھے۔ انہوں نے بڑے اونچے اونچے کام کیے تھے۔ آپ نے فیروز پور روڈ پر جامعہ اشرفیہ دیکھی ہوگی۔ اس کی بنیاد مفتی محمد حسن نے ہی رکھی تھی اور ان کی ہی نگرانی میں اتنی بڑی یونیورسٹی بنی۔

ان کے جو مریدین تھے اور ان کے جو چاہنے والے تھے' جن میں میرے ماموں بھی شامل تھے مولوی صاحب بار بار ان سے کہتے تھے کہ یہ ٹانگ اب ٹھیک نہیں ہوگی۔ کاٹنی پڑے گی۔ انہوں نے مولوی صاحب پر ٹانگ کٹوانے پر بہت زور دیا اور کہا کہ اگر ڈاکٹر ٹانگ کاٹنے کا

کہتے ہیں، تو پھر اس میں کیا مضائقہ ہے۔ میں آپ کو کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج کا واقعہ بتا رہا ہوں۔ اس زمانے کے بہت اعلیٰ درجے کے سرجن کرنل امیر الدین ہوا کرتے تھے۔ وہ بڑے نامی گرامی سرجن تھے۔ انہوں نے بھی ٹانگ کے کاٹنے کی ہی رائے دی۔

آخر کار ٹانگ کاٹنے کا وقت مقرر ہو گیا۔ جیسا کہ ڈاکٹر لوگ کرتے ہیں۔ صبح کے وقت ان کی ٹانگ کاٹی جانی تھی اور اس سرجری میں ڈاکٹر کرنل عطاء اللہ، ڈاکٹر ریاض قدیر اور کرنل امیر الدین نے حصہ لینا تھا۔ سب بڑی محبت اور پیار اور عقیدت اور تپاک کے ساتھ مفتی صاحب کو لے کر آئے۔ اب ایک لائق بے ہوش کرنے والا ماہر چاہئے تھا، جو بالکل ہمہ وقت مستعد رہے، تا کہ اس عمر کے شخص کی زندگی کو کوئی خدشہ یا خطرہ نہ ہو۔ اب **Anaesthesist** کو بلایا گیا، انہوں نے کہا مفتی صاحب! آپ کو تھوڑی سی تکلیف ہو گی، کیونکہ ایک انجکشن دینا ہے۔

مفتی صاحب نے کہا کہ یہ کیوں دیتے ہو؟ تو انہوں نے کہا کہ جی اتنا بڑا کام کرنا ہے، تو اس وجہ سے بے ہوشی مقصود تھی۔ مفتی صاحب نے کہا کہ آپ مجھے بے ہوش کیوں کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جی! آخر ٹانگ کاٹنی ہے۔ اس میں چاقو، چھری اور آری کی بھی ضرورت پڑے گی۔ مفتی صاحب کہنے لگے، ڈاکٹر صاحب! آپ ایسا کریں کہ آپ مجھ کو ایسے ہی چھوڑ دیں اور Anaesthesia وغیرہ نہ دیں۔ مجھے یہ پسند نہیں ہے۔ یہ دخل انداز ہو گا میرے ذہن پر اور میں اپنا ذہن سوائے اللہ کے اور کسی کے حوالے کرنا نہیں چاہتا۔ تو آپ اپنا کام کریں، میں اپنا کام کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا، سر! آپ اپنا کام کیا کریں گے؟ انہوں نے کہا، جو بھی میرا کام ہوا کروں گا اور منہ پر کپڑا لے کر لیٹ گئے۔ اب ٹانگ کٹ رہی تھی اور آپ آرام سے لیٹے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر ریاض قدیر جلدی جلدی ٹانکے لگا رہے تھے اور کرنل عطاء اللہ نبض پکڑے بیٹھے ہوئے تھے، تا کہ پتا چلتا رہے کہ ان کا بلڈ پریشر کہاں چلا گیا ہے کام ختم ہوا اور جب پٹی باندھ دی گئی اور تینوں ڈاکٹر حیران پریشان کھڑے ہو گئے، تو پھر مفتی صاحب نے ان سے پوچھا ''میاں ہو گیا کام؟'' انہوں نے کہا، جی ہو گیا۔ تب مفتی صاحب نے کہا'' بہت بہت شکریہ! میں نے آپ کو بڑی تکلیف دی۔''

جو شخص اپنے خیال پر حاوی ہو جائے اور خیال اس کے تصور کی گرفت میں آ جائے اور انسان یہ جان لے کہ **Mind over matter** کیسے ورک کرتا ہے، تو یہ ساری مشکلات جو روز ہمیں پیش آتی رہتی ہیں اور ہم ہاتھی جتنا ڈیل ڈول لے کر اپنے ''کلے'' سے ڈرتے رہتے ہیں، جو ایک فٹ کا بھی نہیں ہوتا اور ساری مشکلات لپیٹ کے ایک طرف رکھ دیتا ہے۔ اسی لئے ہمارے لئے علم کا، تفکر کا اور فکر کرنے کا بڑا حکم آیا ہے کہ غور کریں۔ اب تفکر کرنے کے طریقے ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ یہ تو عبادات میں آ جاتی ہیں۔ تفکر کرنے کے لئے آپ کو الگ سے جیسا کہ اللہ چاہتا ہے کہ جب نمازیں ادا کر چکو تو تب میرا ذکر کرو۔ دیکھئے ناں کہ ذکر سے مفتی محمد حسن کہاں پہنچ گئے اور کیسے انہوں نے تقویت حاصل کر لی کہ میڈیکل ہسٹری میں یہ بات درج ہو کر رہ گئی۔

اگر آپ اور میں اور ہم سب اس باریکی کو سمجھنے لگیں کہ مائنڈ کے اوپر جسم کا اتنا اثر نہیں ہوتا، جتنا مائنڈ کا اپنا ہوتا ہے، تو پھر آپ ان مشکلات سے خود بخود نکل آئیں گے۔ اللہ آپ کو آسانیاں عطا فرمائے اور آسانیاں تقسیم کرنے کا شرف عطا فرمائے۔ اللہ حافظ!!

اگر آپ اور میں اور ہم سب اس باریکی کو سمجھنے لگیں کہ مائنڈ کے اوپر جسم کا اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا مائنڈ کا اپنا ہوتا ہے، تو پھر آپ ان مشکلات سے خود بخود نکل آئیں گے